اسلام کی دنیوی برکتیں

جسے

عالیجناب نواب چراغ علیخان صاحب (مرحوم)

سابق فنانشل کمشنر گورنمنٹ نظام ممالک حیدرآباد دکن

نے تالیف فرمایا

اور

پنجاب جنرل ایجنسی امرتسر

کے واسطے

اخترِ ہند پریس امرتسر میں چھپی

سنہ ۱۸۹۶ع

اسلام کی دنیوی برکتیں

مولفہ جناب مولوی چراغ علی صاحب فنانشل کمشنر بہادر ریاست حیدرآباد

مندرجہ تہذیب الاخلاق بابت ۱۲۹۱ ہجری

مرتبہ جناب مولوی سید احمد خان صاحب بہادر نجم الہند

ہم اس مقام پر اسلام کی دنیوی برکتیں بیان کرتے ہیں اور دکھلاتے ہیں کہ قرآن نے انسان کی اصلاح معاشرت کی باتیں کیونکر سکھلائیں اور یہہ کہ ہمکو اپنے ہمجنسوں سے کسطرح سلوک کرنا چاہئے اور باہم کے معاملات میں کس طرح پر برتاؤ عمل میں لانا چاہیے اور حسن معاشرت کی ترقی کیونکر اسلام کی وجہ سے ظہور میں آئی اور بنی نوع کی بہبودی اور سلامتی اور کافۂ انام کی جان و مال کی حفاظت کی کیا وصیتیں فرمائیں اور بادشاہ سے لیکر فقیر تک کیسے سب کو آزاد قرار دیا اور جملہ بنی آدم کے امن و امان سے رہنے اور خدا کی برکتوں سے فائدہ مند ہونے کی کیا کیا سبیل ہوئی اس مضمون کو ہم پہلے حفاظت اطفال سے شروع کرتے ہیں ✤

(۱) دخترکشی کی بد رسم تو قدیم زمانہ سے تقریباً تمام جہان میں پھیلی ہوئی۔ یونان۔ روم کبیر میں جہاں بڑے بڑے حکیم اور اہل ناموس گذرے ہیں یہہ رسم پسندیدہ اور معروف تھی مگر ملک عرب میں خصوصاً اور ملکوں میں عموماً قرآن ہی نے لڑکیوں کی جان بچائی اور تمام جہان میں جہاں تک اسلام کی دسترس ہوئی اُسی نے اُن بے رحم والدین کو جو لڑکی کو مار ڈالتے تھے خدا کے غضب اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا۔ اسلام ہی کی تعلیم کے اثر سے دخترکشی کی رسم اسلامی ملکوں سے مٹ گئی۔ اُسی کی پُرتاثیر اور خوف خدا دلانیوالی تقریر سے قتل موؤدہ کی بیخکنی ہوئی اور جہاں اب اسلام پھیلتا جاتا ہے وہاں یہہ رسم نیست و نابود ہوتی جاتی ہے۔

لا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم و ایاکم ان قتلهم کان خطأً کبیرا۔
(بنی اسرائیل ۳۳) ‡

اولاد کی جان کو ایک اور آفت یہہ تھی کہ بیرحم ماں باپ اپنے عزیز ننھے بچوں کو بتوں کی نذر چڑھاتے اور قربان کرتے تھے۔ علاوہ اور ملکوں کے (مثل انگلستان و ہندوستان وغیرہ) جہاں انسانی قربانی عمل میں آتی تھی۔ عرب میں بھی ایسے حادثات پائے جاتے ہیں۔ پروکپیوس (مورخ سنہ ۶۰۰ع) کہتا ہے کہ المنذر شقیق بادشاہ حیرا (جسکو یونانی لہجہ میں المندروس ہوسیکی کہتے ہیں) بادشاہ غسان کی ایک بیٹی کو قید کر کے لات یا عزا کی قربانی چڑہا دیا تھا اور ایوگرک (مورخ سنہ ۶۱۸ع) نے اسی بادشاہ کی ایک کیفیت لکھی ہے کہ وہ اپنے دو دوستوں کے قتل کے کفارہ میں ہر سال یوم نحس کو آدمیوں کی قربانی کیا کرتا تھا۔ اسی مورخ اور نیز آیواگریوس (۶۰۰ع) نے ایک نعمان کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے آدمیوں کو بتوں کی قربانی کیا کرتا تھا اور پورفری نے (سنہ ۳۰۰ع) مقام دمیتہ میں جسے دومتہ الجندل قیاس کیا جاتا ہے ایسی ہی قربانی کا ذکر کیا ہے۔ اور دور کیوں جاؤ عبدالمطلب کا حضرت عبداللہ کو قربانی چڑہائے جانے کی نذر کرنا اسلامی تاریخوں میں پایا جاتا ہے اور غالباً بالکل بے اصل نہیں ہے۔ اس قسم کی نذر یہود سے عرب میں آئی ہوگی۔ انمیں یہہ دستور تھا کہ بعض اولاد کو صرف دینی کام کے لئے مخصوص کر دیتے تھے۔ حضرت مریم بھی اسی قسم سے تھیں

اذ قالت امراۃ عمران رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا (ال عمران ۳)

مگر عرب تو اس نذر میں کام ہی تمام کر دیتے تھے † اور غالباً اس آیت میں اسی رسم بد پر اشارہ ہے۔ کذالک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادهم شرکاؤهم لیردوهم ولیلبسوا علیهم دینهم ‡ (انعام ۱۳۸)

(۶) جب اس طرح لڑکوں کی جان بچانے کا سامان کر دیا تو اب اسلام نے انکے مال کی حفاظت اور یتیموں کی جائداد کو انکے متولیوں کے خورد برد سے محفوظ رکھنے کے لئے یہہ احکام صادر کئے

† اور مارد گبن مورخ نے پچاسویں باب میں لکھا ہے (ص ۲۱۳ سنہ ۱۸۶۳ء) کہ انسان کی جان کسی آفت عام کے دفعیہ کے لئے سب سے عمدہ قربانی ہے۔ فرنیقیا اور مصر اور روما اور قرطاجنہ کے مذبح انسانی خون سے آلودہ رہتے تھے اور عربوں میں بھی یہی بے رحم رسم مدت سے جاری تھی اور تیسری صدی میں ہر سال ایک لڑکا قبیلہ دمیاتیہ کا قربان ہوا کرتا تھا +

‡ اور اسی طرح بھلی دکھلائی تھی مشرکوں کو اولاد مارنی انکے شریکوں نے کہ انکو ہلاک کریں اور انکا دین غلط کریں +

‡ اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے مت مارو۔ ہم انکے اور نیز تمہارے رزاق ہیں انکا مار ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے +

ہوتی جاتی ہے۔ شروع ہی سے قرآن نے اس مہلک رسم کے وخیمہ کا وعظ فرمایا +

اذا الموءودة سئلت بای ذنب قتلت [†] (تکویر)

(۳) عرب میں جہالت اور حمیت کے غلبہ سے لڑکیوں کا رکھنا ایک سخت ذلت اور اہانت تھی وہ کمبخت ان لڑکیوں کو یا تو ہوتے ہی مار ڈالتے تھے یا پال پوس کے جیتا گاڑ دیتے تھے۔

اذا بشر احدهم بالانثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم يتوارى من القوم من سوء ما بشر به ايمسكه على هون ام يدسه فى التراب [‡] (النحل)

علامہ رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں واعلم انهم كانوا مختلفين فى قتل البنات فمنهم من يحفر الحفيرة ويدفنها فيها الى ان يموت ومنهم من يرميها من شاهق جبل ومنهم من يغرقها ومنهم من يذبحها وهم كانوا يفعلون ذلك تارة للغيرة والحمية وتارة خوفا من الفقر والفاقة ولزوم النفقة

(۴) یہہ تو ایک خاص صورت لڑکیوں کے قتل کی تھی۔ الا عموماً قتل اولاد بھی قدیم زمانہ سے ہوتا چلا آیا۔ افلاطون اور ارسطو یہہ دونو نامی حکیم قتل اولاد کے حامی تھے۔ ارسطو کا قول ہے کہ لنگڑے لولوں کا پرورش پانا قانوناً روکنا چاہئے اور جب کثرت نفوس آدمیوں کو کم کرنا منظور ہو تو جنین کے جان پڑنے سے پیشتر اسقاط حمل کرا دیا جاوے۔ اسپارٹا (یونان) میں دستور تھا کہ جب کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ شخص اسکو ملاحظہ کرکے دیکھتے کہ وہ تندرست اور مضبوط ہے تو اسے حکم دیتے کہ اسکی پرورش کرے۔ اور اگر اس میں کچھ نقص دیکھتے تو وہ طیجیتوس میں گرا دیتے تھے۔ اہل روما میں بھی ایسا ہی دستور تھا کہ بچے کی پرورش اسکے باپ کی راے پر موقوف تھی۔ قوم اورش میں بھی ایسا ہی دستور تھا کہ اگر بچے کا باپ چاہے تو اسے پرورش کرے ورنہ اگر اسمیں ضعف و نقص پاوے تو جنگلی جانوروں کو کھلا دے۔ وحشی قوموں میں بھی یہہ ہنوز ایک رسم عام ہے۔ ایک سیاح نے بیان کیا کہ ملک و آنوالیود کے بعض اضلاع میں تو قتل اولاد کی تعداد کل باشندوں کی ایک نصف سے بڑہکر دو ثلث تک پہنچی ہے۔ چین اور ہند میں اسکا عام رواج تھا اور ہنوز باقی ہے۔ قرآن نے اس رسم قبیح کی اصل و بنیاد پر گرفت کی اور فرمایا

---

† اور جب بیٹی گاڑ دی کو پوچھے کس گناہ پر گاڑ دی گئی +

‡ اور جب خوش خبری ملے ایسی کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے موہنہ اسکا سیاہ اور جی میں گھٹ رہا چھپتا پھرے لوگوں سے مارے برائی اس خوشخبری کے جو سنی اور اسکو رہنے دے ذلت قبول کرکر یا اسکو داب دے مٹی میں +

تھے اور انہیں اُن یتیموں کی کئی طرح سے حق تلفی ہوتی تھی اور جبکہ اُن سے مقصود اُن کا مال لے لینا ہوتا تھا* تو حقوق زوجیت کی بھی رعایت نہیں کرتے تھے۔ لہذا اُن لوگوں کو جنکی ولایت میں یتیم لڑکیاں تھیں منع کر دیا تھا کہ جنکے ولی ہوں اُن سے نکاح نہ کریں چنانچہ جس مقام سابقہ کا حوالہ اس آیت کے الفاظ " وما یتلی علیکم فی الکتاب " میں ہے وہ یہہ ہے " فان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب† لکم من النساء مثنی وثلث وربع فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم (النساء) یعنے اگر تمکو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر لینے سے انہیں انصاف نہ کروگے تو نکاح کر لو بالغ عورتوں سے دو دو تین تین چار چار پھر اگر ڈر و کہ برابر نہ رکھوگے تو ایک ہی یا جنکے (یعنے جن یتیموں کے) تمہارے ہاتھ مالک ہو چکے (نکاح سے)۔

چونکہ یہہ ہر ایک صاحب شریعت و ناموس و اہل قانون کا دستور ہے کہ قانون کے خلاف جو صورتیں ظہور میں آ چکتی ہیں انکو اکثر تو بحال و برقرار رکھا جاتا ہے۔ اسیطرح گو اُن یتیموں اور نابالغوں سے نکاح کرنا (ان قباحتوں کے ظہور کی وجہ سے جنکا بیان ہوا ہے) منع کیا مگر جو یتیم لڑکیاں اُنکی ملک نکاح میں آ چکی تھیں اُنکو ویسے رہنے دیا اور اُسی آیت کے اخیر میں علاوہ اور تقیدوں کے پھر بھی اُن ملک نکاح میں آئی ہوئیں ان یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف کی وصیت فرمائی۔ اب یہاں پر عموماً دو اعتراض وارد ہونگے۔ (۱) یہہ کہ ما ملکت ایمانکم سے لونڈیاں مراد

* وکان الرجال منھم یضم الیتیمۃ الی نفسہ ومالھا وان کانت جمیلۃ تزوجھا واکل المال وان کانت ذمیمۃ عضلھا عن التزویج حتی تموت فترثھا۔ مدارک التنزیل صاحب تفسیر معالم التنزیل نے اپنی سند سے روایت کی ہے اخبرنا عبد الواحد الملیحی انا احمد بن عبد اللہ العمی انا محمد بن اسمعیل انا ابو الیمان انا شعیب عن الزہری قال کان عروۃ بن الزبیر یحدث انہ سال عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء قالت ھی الیتیمۃ یکون فی حجر ولیھا فیرغب فی جمالھا ومالھا ویرید ان یتزوجھا بادنی من سنۃ نسائھا فنھوا عن نکاحھن الا ان تقسطوا لھن فی اکمال الصداق و امروا بنکاح من سواھن من النساء۔ الخ

† وقیل ان خفتم ان لا تقسطوا فی نکاح الیتامی فانکحوا من البالغات یقال طابت الثمرۃ ای ادرکت۔ (مدارک)

عموماً اُن سے شفقت اور اکرام کرنے کا حکم دیا۔

(ا) "کلا بل لا تکرمون الیتیم" (فجر)

ب "فاما الیتیم فلا تقهر" (ضحی)

ج۔ "واتوا الیتامی اموالهم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالهم الی اموالکم انه کان حوبا کبیرا" (نساء)

د۔ "ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا" (نساء)

ہ۔ "ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی هی احسن حتی یبلغ اشده" (انعام)

و۔ "وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منهم رشدا فادفعوا الیهم اموالهم ولا تاکلوها اسرافا وبدارا ان یکبروا ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف" (نساء)

ز۔ "وما یتلی علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء التی لا تؤتونهن ما کتب لهن وترغبون ان تنکحوهن والمستضعفین من الولدان وان تقوموا للیتامی بالقسط (نساء ۱۹ع)

(ے) اس پہلی آیت سے یہہ پایا گیا کہ جو لوگ نابالغ اور یتیم لڑکے اور لڑکیوں کے ولی ہوتے تھے وہ اُن سے اور اور طرح سے تو جور و ظلم کرتے ہی تھے مگر ایک صورت خاص اور رواج عام یہہ بھی تھا کہ یتیم لڑکیوں سے شاید اُنکی نابالغی ہی کے زمانہ میں نکاح بھی کر لیتے

(ا) پر تم عزت نہیں کرتے یتیم کی ❖

(ب) سو جو یتیم ہوا اوسپر قہر نہ کر ❖

(ج) اور دے ڈالو یتیموں کو اُنکے مال اور نہ بدلو گندہ ستھرے سے اور نہ کہاؤ اُنکے مال اپنے مال کے ساتھہ یہہ ہے بڑا وبال ❖

(د) جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کہاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کہاتے ہیں ❖

(ہ) اور پاس نہ جاؤ مال یتیم کے مگر جس طرح بہتر ہو جب تک وہ پہنچے اپنی قوت کو ❖

(و) اور سدہارتے رہو یتیموں کو جبتک پہنچیں نکاح کی عمر کو پہر اگر دیکھو انمیں ہوشیاری تو حوالہ کرو اُنکے مال اور کہا نہ جاؤ اُنکو اوڑا کر اور شتاب کر کے کہ یہہ بڑے نہو جاویں اور جسکو کوئی غنی ہو تو چاہیے کہ بچتا رہے اور جو محتاج ہو تو کہاوے موافق دستور کے ❖

(ز) اور جو تمکو سُنا تے ہیں کتاب میں سو حکم ہے یتیم عورتوں کا (جنکو تم نہیں دیتے جو انکا مقرر ہے اور چاہتے ہو کہ نکاح میں لاؤ) اور حکم بیچارے لڑکوں کا اور یہہ کہ قایم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر ❖

اور آیت ذلک ادنیٰ ان لا تعولوا میں اسی ممانعت کثرت ازدواج پر حسب تفسیر امام شافعی اشارہ پایا جاتا ہے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے وفسر بان لا یکثر عیالکم ولعل المراد بالعیال الازواج۔ اسی صورت میں اس آیت کے معنے یہہ ہونگے کہ تمہاری بیبیاں بہت نہو جاویں چنانچہ جس شخص کی عورتیں زیادہ ہوں تو کہتے ہیں اعال الرجال مگر اس محاورہ پر باب اعال یعیل سے تعیلوا ہونا چاہئے کہتے ہیں کہ حمیر کی زبان میں ایسا ہی بولتے ہیں یعنے تعالوا بمعنے تعیلوا۔ یہی تفسیر امام شافعی نے اختیار کی ہے اور طلحہ بن المطرف نے بھی اس آیت کو تفسیر کے طور پر تعیلوا بیان کیا ہے اور ایسے ہی طاؤس نے بھی۔ تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔ قال الشافعی ان لا یکثر عیالکم وما قاله احد انما یقال اعال یعیل عالة اذا کثر عیاله۔ وقال ابو حاتم کان الشافعی رضی اللہ عنہ اعلم بلسان العرب منا فلعله لغة۔ ویقال هی لغت حمیر وقرء طلحة بن المطرف ان لا تعیلوا۔ وهی حجة لقول الشافعی رضوان اللہ۔ اور تفسیر کبیر میں ہے۔ نقل عن الشافعی رضی اللہ عنہ انه قال "ذالک ادنیٰ ان لا تعولوا" معناہ ادنیٰ ان یکثر عیالکم ومن المشهور ان طاؤس کان یقرء ذالک ادنیٰ ان لا تعیلوا۔ اور نیز امام فخر الدین رازی نے اچھی طرح پر رد کیا ہے ان اعتراضوں کو جو بعضے مقلدین نے اس بحث میں امام شافعی پر کئے تھے (دیکھو تفسیر سورہ نساء آیتہ ۳)۔

مسلمانوں ہی میں ایسے لوگ بہت کم ہونگے جو یہہ سمجھتے ہونگے کہ اسلام نے کثرت ازدواج میں ایسی اصلاح فرمائی۔

ساواری جو ایک فرانسیسی مترجم قرآن ہے سورۂ نساء کے ذیل میں لکھتا ہے کہ جب یہہ آیت "فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة" نازل ہوئی تو عرب کے لوگوں میں سے اکثر کے پاس آٹھ آٹھ اور دس دس عورتیں تہیں اور وہ اُن سے بد سلوکی سے پیش آتے تہے کثرت ازدواج کا ممالک مشرقی میں ہمیشہ دستور رہا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے گہٹا کر بہت کم کر دیا۔ انتہی اور ہمارے یہاں کی روایتیں بھی اسی کی مؤید ہیں۔ احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ ان غیلان بن سلمة الثقفی لما اسلم وله عشر نسوة فی الجاهلیة فاسلمن معه فقال النبی صلعم امسک اربعا وفارق سائرهن اور شرح السنتہ میں روایت ہے من نوفل بن معاویه قال اسلمت وتحتی خمسة

ہیں (۲) یہہ کہ اس تقریب جیسے ہمنے معنے لئیے ہیں او بمعنے الا ہوا جاتا ہے۔

پہلے شبہ کا جواب تو ہم یہہ دیتے ہیں کہ جبکہ ملک یمین کا اطلاق نکاح پر بہی ہوتا ہے۔ اور نساء کے لفظ میں لونڈیاں بہی آ گئیں اسلئے اب مگر اس لفظ سے لونڈیاں مراد لینی فضول ہیں۔ اور یہہ تو بے عقلی کی بات ہے کہ حرف ما صرف غیر ذوالعقول کے لئے آتا ہے اور لونڈیاں کچھ انوثیت کی وجہ سے اور کچھ خرید فروخت ہونے کی وجہ سے بہائم کی قسم میں ہیں کیونکہ اسی جگہ نساء پر بہی ما کا حرف آیا ہے "ما طاب لکم من النساء" اور اسکے علاوہ خدا پر بہی لفظ آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ "ولا انتم عابدون ما اعبد"۔

اور دوسرے شبہ کا یہہ جواب ہے کہ اولاً یہاں پر او بطریق تخییر بین المعطوفین ہے جیسے کہ اور جگہ بہی قرآن میں اسی صورت سے آیا ہے چنانچہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک بس ایسے ہی اُن لوگوں کو جو اپنی ولایت کی یتیم لڑکیوں سے نکاح کر چکے تھے اختیار تہا کہ یا انکو رہنے دیتے اور آئندہ کو پرہیز کرتے یا چاہتے تو انہیں سے کنارہ کرتے اور ثانیاً او استثنار کی صورت میں بہی تو آتا ہے۔ چنانچہ بقر ۳۱ع میں "لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ"۔

(۸) ہر چند کہ کثرت ازدواج قانون قدرت اور نظام الٰہی کے خلاف نہیں اور بعضے ملکوں کی آب و ہوا کی تاثیر اور وہاں کے رہنے والوں کی طبیعت کا مقتضا اسکے جواز کا باعث ہے مگر عرب میں یہہ اکثار بہی بہت بے موقع اور حد کے درجہ پر تہا۔ اور چونکہ ازدواج کا معاملہ انسان کی تہذیب معاش اور حسن معاشرت میں بہت کچھ دخل رکھتا ہے۔ لہذا اسلام نے اسمیں بہی اصلاح ضروری تصور کی اور کلام الٰہی میں بڑی حکمت سے "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلث و رباع"۔ میں کثرت ازدواج کے عدد کو بہت کم کرکے گہٹا دیا۔ اور نیز "فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ"۔ میں عدالت کی ایسی سخت اور مضبوط قید لگا دی جو درحقیقت ہر ایک کو کثرت ازدواج پر جرات نہ کرنے دیگی اور بعد اسکے خود تنزیل میں ایسی عدالت کے قائم نہ رکھ سکنے اور اُسکے قائم کرنے کی حرص کرنے پر بہی قاصر رہنے کا مذکور فرما دیا ہے۔

"ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ"† (نساء)

† اور تم ہرگز عدالت یعنی برابری نہ رکھ سکو گے عورتوں میں اگرچہ اسکا شوق بہی کرو سو نرے پہر بہی جاؤ کہ ڈال رکھو ایک کو جیسے ادہر میں لٹکتی۔

سے نکاح کا مقدور نہ ہو (۲) بغیر نکاح رہنے میں زنا میں پڑ جانیکا اندیشہ ہو †
(۳) وہ لونڈیاں مسلمان ہوں ۞

ان الاية صريحة في انحصار سبب الاباحة في القسمين المذكورين وهما الازواج وملك اليمين على سبيل انفصال الحقيقي اي اما ازواج او ملك يمين بحيث لا يجتمعان ولا يرتفعان۔

كنز الدقائق تفسير آيات الاحكام كتاب النكاح
(ذیل آیت والذين هم لفروجهم حافظون)

پہلی شرط سے تو بات جاتی رہی کہ بیبیاں بھی ہوں اور لونڈیاں کا بھی ریوڑ بھرا جاوے اور تیسری شرط سے وہ بات جاتی رہی کہ لڑائی میں مشرک عورتوں کا گلا پکڑ لائے اور اُن پر تصرف کیا۔ پس لونڈیوں سے نکاح کر لینے کا حکم کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہو سکتا بلکہ عین حکمت مصلحت ہی تھا اور معہذا اسکی قباحتیں بہت واضح اور صاف ہیں اسی لئے ضرورت شدید

† ولم يختلفوا في ان ذالك راجع الى نكاح الاماء فكانه كان فمما ملكت ايمانكم من فتياتكم المومنات ذالك لمن خشي العنت منكم وهو الضرر الشديد الشاق قال فيما رخص فيه من مخالطة اليتامى۔ والله يعلم المفسد من المصلح ولو شاء الله لاعنتكم اي لشدد الامر عليكم والزمكم النفير طعامكم من طعامهم فتلحقكم بذالك ضرر شديد۔ وقال ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواههم۔ اي احبوا ان تقعوا في ضرر الشديد۔ وللمفسرين فيه قولان۔ احدهما ان الشبق الشديد والغلمة ربما يحمله على الزنا فيقع في الحد على الدنيا والعذاب العظيم في الاخرة فهذا هو العنت والثاني ان الشبق الشديد والغلمة عظيمة قد يؤدي الى اختناق الرحم واما في حق الرجال فقد يؤدي الى اوجاع الوركين الظهر والاكثر على وجه الاول لانه هو اليق ببيان القرآن۔ تفسير كبير

: لونڈیوں سے نکاح کی مضرتوں میں پانچ وجہیں امام رازی نے لکھی ہیں جنکو ہم نے متن میں چھوڑ دیا ہے انکا خلاصہ یہہ ہے (۱) جو اولاد ہوگی وہ بھی رقیق ہوگی۔ (۲) وہ لونڈی باہر نکلنے پھرنے اور غیروں سے میل جول رکھنے میں ناشائستہ ہو جاویگی (۳) اس لونڈی کے مالک کا حق اسپر اسکے شوہر سے زیادہ ہے پس وہ اپنے شوہر سے باخلاص نہیں مل سکتی (۴) اگر اسکا مالک اسکو کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالے یا تو نکاح ٹوٹ جاویگا یا مالک جدید کہیں کا سفر کرے تو وہ ساتھ جاویگی بہرحال شوہر کو بڑی مضرت پہنچیگی (۵) اگر اسکا مہر مقرر ہوا ہوگا تو اسے اختیار نہ ہوگا کہ مہر بخشدے [illegible] اور [illegible]

نسوة فسالت النبی صلعم فقال فارق واحدة وامسك اربعا †

ٹامس کارلائیل ایک مشہور عالم محقق کا قول اس مقام پر نقل کرنا بے موقع نہوگا وہ لکھتے ہیں "اسلام کی میل الی الشہوات کی نسبت بہت کچھہ تقریریں اور تحریریں ہوئی ہیں اور یہہ اعتراضات انصاف کی حد سے بڑہکر ہیں۔ وہ پیروانگیاں جو ہمکو قبیح معلوم ہوتی ہیں اور جنکی اجازت انہوں نے دی وہ خاص اُنکی ایجاد نہیں۔ انہوں نے ان باتوں کو عرب میں قدیم الایام مروج اور غیر معیوب پایا مگر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھہ کیا وہ یہہ کیا کہ اُنکو روکا وہ نہ صرف ایک ہی طرف سے بلکہ کئی پہلو سے (لکچر ۲ صفحہ ۶۴ مطبوعہ سنہ ۱۸۷۲ع)

(۹) سورہ نساء کی ۲۳ - آیت جو پچھلی دفعہ میں نقل ہوئی اور جسکی بحث ۷ دفعہ میں ہوچکی ہے چار عورتوں تک کے حکم میں بہت صاف ہے اور عورتوں میں آزاد اور غیر آزاد دونوں داخل ہیں اور ہر ایک شخص جسکو یہود کے مسائل مخترعہ اور ایام جاہلیت کی رسم کی تقلید اور سابق ظن نہ ہو وہ قرآن کے لفظوں سے تو ایسا ہی سمجھیگا۔ چنانچہ جارج سیل مترجم قرآن (مات سنہ ۱۷۳۶ء) نے مقدمہ کتاب اور ذیل سورہ نساء میں ایسا ہی بیان کیا ہے کہ ازواج اور سواری یعنے بیبیاں اور لونڈیاں یہہ دونو اس قید اربع میں محدود ہیں فقط۔ مگر اب رسم یہہ پڑی کہ لونڈیوں کے واسطے کوئی تعداد ہی نہیں تاہم ہمکو فقہا اور اہل الرائے کا اسقدر شکر گذار ہونا چاہیئے کہ انہوں نے آزاد عورت پر لونڈی کو جمع کرنا جائز نہیں کیا۔ امام ابو حنیفہ اسکے قائل تھے۔ مگر چونکہ اجتہادی بات قرار پائی اسلئے اور علماء شیعہ و سُنّی نے کچھہ انکار کچھہ اقرار کیا مگر آؤ ہم قرآن کو تو دیکھیں اسمیں کیا ہے پانچویں پارہ کے شروع میں لکھا ہے۔

"ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤمنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات ذلك لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم ‡

اسمیں فتیات مومنات سے نکاح کی اجازت تو ہے مگر تین شرطوں سے (۱) جبکہ آزاد عورت

---

† یہہ روایتیں مشکوۃ میں ہیں۔ انکا مطلب یہہ ہے کہ غیلان کے پاس دس عورتیں تھیں تو نبی صلعم نے فرمایا کہ چار رہنے دو۔ باقی کو جدا کر دو۔ اور نوفل کے پاس پانچ تھیں اُن سے بھی ایسا ہی کیا گیا +

‡ یعنے جسکو مقدور نہو آزاد بیبیوں سے نکاح کرنے کا تو مسلمان لونڈیوں کو بملک نکاح میں لے آوے۔ یہہ اسکیواسطے جو کوئی ڈرتا ہو تکلیف میں پڑنے سے اور اگر صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں +

برابر ہوا کرتی تہیں۔ فرق اتنا ہی تہا کہ انتظام خانہ داری میں پہلی ہی بی بی کو دخل رہا کرتا تہا اور اگر یہہ دوسری بی بی جو حرم کہلاتی پہلے خادم تہی تو بعد نکاح بہی بدستور خدمت کرتی رہتی تہی (دیکہو تفسیر ہارن جلد ۳ حصہ ۴ باب ۳)۔

اور ماریہ قبطیہ سے ابراہیم بن النبی کا پیدا ہونا ایسا تاریخی واقعہ اور قطعی مسئلہ نہیں ہے جس سے وہ ذلت اور خرابی لازم آوے جو اولاد ام ولد میں لازم آتی ہے کیونکہ (۱) ماریہ تین عورتوں کا نام روایتوں میں ہے اور یہہ تینوں یا دو تو خادم النبی کہلاتی ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے ۳ نام لکہے ہیں۔ ابن مندہ نے ایک ماریہ جسکی کنیت ام الرباب ہے اور دوسرے ایک اور ماریہ خادم النبی الگ الگ لکہی ہیں اور انسے روایت کی ہے مگر ابو نعیم نے دونوں کو ایک کر دیا ہے اور ماریہ قبطیہ ہنوز علیحدہ ہیں۔ ایسے اختلافوں سے ٹہیک سے نہیں معلوم ہوتا کہ کون کیا تہا (۲) یہہ بہی قطعی نہیں کہ ماریہ کے پیٹ سے ابراہیم بن النبی پیدا ہوئے ہوں۔ علی ابن الحسین جنید الرازی نے اپنی تاریخ میں ابراہیم کو بطن خدیجہ سے لکہا ہے اور ماریہ کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اور ابن مندہ نے لکہا ہے "واستسر جاریة قرظیة فولدت له ابراهیم" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کسی قید کی ہوئی لونڈی یہود قریظیہ سے پیدا ہوئے تہے۔ (۳) ماریہ کی بعض مخصوص رعایتیں از قسم ضرب حجاب وغیرہ جو روایتوں میں ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ ماریہ سے لونڈیوں کی طرح پیش نہیں آیا جاتا تہا بلکہ بیبیوں کی طرح۔ (۴) ایک عیسائی بادشاہ کا ایک نبی کو دو چہوکریاں تحفہ میں بہیجنا محض خلاف قیاس اور تعجب انگیز ہے (۵) ماریہ قبطیہ اتفاقیہ معاملہ نہیں ہو سکتیں وہ کسی لڑائی میں قید نہیں ہوئیں اور نہ وہ خرید یا فروخت ہوئیں بلکہ مدینہ میں آنے سے پیشتر مسلمان ہو چکی تہیں (دیکہو ابن سعد کی روایت کتاب الاصابہ میں) ان وجوہ پر نظر کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچہہ بعید نہیں ہے کہ ماریہ ایک خادمہ ہونگی اور انہیں کی کنیت بہی اُم الرباب ہی ہوگی۔ اور اسی کو ابن سعد وغیرہ نے اپنے خیال سے لکہدیا "کان یطاها بملک یمین" زیادہ تعصب کی چند وہ غیر صحیح روایتیں ہیں جنکو اصحاب صحاح نے روایت نہیں کیا مگر اور لوگوں نے روایت کی ہے کہ نزول سورہ تحریم کا سبب قبطیہ کو ایک مرتبہ حرام کر لینا تہا۔ یہہ روایت جیسا کہ ظاہر ہے سخافت اور اسارت ادب سے خالی نہیں مگر ہمکو تو قطعاً بہی اسکی صحت میں کلام ہے۔ (۱) اس وجہ سے کہ عمائد اہل صحاح مثل بخاری و مسلم صاحبا الصحیحین نے اس قصہ کی روایت نہیں کی اور انکا باوجود ضرورت اور حاجت

اور ناچاری کا یہہ علاج ہی تہا۔

امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ الآیة دالة علی التحذیر من نکاح الاماء وانه لا یجوز اقدام علیه الا عند الضرورة والسبب فیه وجوه فلهذه الوجوه ما اذن الله فی نکاح الامة الا علی سبیل الرخصة۔ مگر پھر بھی کلام الٰہی میں یہی حکم ہے کہ ان تین شرطوں کی رعایت پر اگر لونڈیوں سے نکاح نہ کیا جاوے تو بہتر ہے وان تصبروا خیر لکم۔ تفسیر کبیر میں ہے (مسئلہ) المراد ان نکاح الاماء بعد رعایة الشرائط الثلثة اعنی عدم القدرة علی التزوج بالحرة وخوف العنت وکون الامة مومنة الاولی ترکه لما بینا من المفاسد الحاصلة فی هذا النکاح۔ اور تفسیر مدارک التنزیل نسفی میں ہے وصبرکم عن نکاح الاماء متعففین خیر لکم لان فیه ارقاق الولد ولانها خراجة ولاجة ممتهنة مبتذلة وذلک کله نقصان یرجع الی الناکح ومهانته والعزة من صفات المومنین وفی الحدیث الحرائر صلاح البیت والاماء هلاک البیت ✣

(۱۰) یہاں پر فوراً یہہ اعتراض پیش ہونگے کہ جب لونڈیوں کی اولاد میں ایسی ذلت اور اہانت ہے تو کیا گمان کیا جاوے۔ اُن بزرگوں کے حق میں مثلاً حضرت اسمٰعیل جو ہاجرہ سے تہے حضرت ابراہیم نبی اللہ جو ماریہ قبطیہ سے تہے یا محمد بن حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شہربانو رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابراہیم المبیعة تو اسکا جواب یہہ ہے کہ حضرت ہاجرہ کو لونڈی کہنا بالکل غلط ہے وہ کسی طرح پر لونڈی نہیں ہو سکتیں۔ عوام یہود تو ضرور اس امر میں تعصب کرتے ہیں اور مسلمانوں کی بعض تفسیریں اس امر خاص میں اسوجہ سے اعتبار کے قابل نہیں کہ اصل لفظ صحابہ یا ایمہ نے ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کچھہ ہی فرمایا ہو مگر چونکہ راویوں کی عقل اور دماغ میں ملک یمین سمایا ہوا ہے اور یہود نے بہی ایسا مشہور کر رکھا ہے پس وہ خواہ مخواہ روایت بالمعنی میں لفظ جاریہ یا ملک یمین ہی کہینگے۔ مگر یاد رہے کہ ربانیین یہود کی روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تہیں اور اُسنے ابراہیم علیہ السلام کی کرامت اور بزرگی دیکھہ کر بیاہ دیا تہا (دیکھو کتاب برشیث رباہ ۱۰-۵۱)۔ علاوہ ازیں جن عورتوں کی نسبت کتب عہد عتیق میں لکہا ہے کہ حرم تہیں (جیسے ہاجرہ) تو وہ لفظ فقہ کی اصطلاحی ملک یمین کے ہم معنے نہیں ہے۔ وہ تو شرعی بیبیاں تہیں جو حقوق زوجیت میں پہلی بی بی کے

ص ۱۳۱ میں لکھتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے۔ باب۔ لم تحرم ما احل اللہ لک عن سعید بن جبیر انہ اخبرہ انہ سمع ابن عباس یقول اذا حرم امراتہ لیس بشئی وقال لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ قال الشارح واشار ذالک الی قصۃ ماریہ انتھی۔ مگر اسمیں سارا زور و شور مستدل کا شارح کے قول پر ہے مگر وہ شارح کا صرف خیال ہی۔ ممکن ہے کہ تحریم عسل کیطرف اشارہ ہو دوسری روایت اُنھوں نے نقل کی روی النسائی عن سعید بن جبیر ان رجلا سال ابن عباس فقال انی جعلت امراتی علی حراما فقال کذبت لیست علیک بحرام ثم تلی یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔ مگر اسمیں تو قصہ ماریہ کا کہیں شان و گمان بھی نہیں ظاہر ہے کہ ابن عباس نے اسمیں عموم لفظ قرآن سے استدلال کیا ہیہ کچھ ضرور نہیں کہ سبب بھی خاص وہی ایک ہو۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں اختلف اھل الاصول ھل العبرۃ لعموم اللفظ او بخصوص السبب والاصح عندنا الاول وقد نزلت آیات فی اسباب واتفقوا علی تعدیتھا الی غیر اسبابھا۔ الخ ۔

اب ان روایتوں کے سوا اگر اور کوئی سند اس قصہ باطل کی پیش ہوگی تو اسمیں بھی انہیں ضوابط اور قواعد سے نظر کی جاویگی۔

اور والدہ محمد بن حنیفہ کی مثال بھی بالکل غلط ہی کیونکہ وہ لونڈی نہ تھیں اور نہ انپر حضرت علی نے لونڈی کیطور پر تصرف کیا۔ چنانچہ سید مرتضی علم الہدے نے اپنی تصنیفات میں صاف لکھا ہے۔ لم یستبحھا بل سبی بل نکحھا و مھرھا۔

اور حضرت شہربانو بھی ملک یمین نہیں تھیں بلکہ وہ مدینہ میں آتے ہی قید سے رہا ہوگئی تھیں (دیکھو مناقب ابن شہر آشوب اور بحار الانوار کی ۱۴ جلد۔

(۱۱) عورتوں کے حق میں آزادی۔ بہبودی۔ تہذیب اور عفت لباس میں احترام (سورہ نور) اور اُن سے گفتگو میں ادب (ولا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا۔ ح) کے احکام جاری کئے اور ایسے احکام اُنکی حالت کے موافق اور مناسب صادر کئے جو حکمائے سابقین سے نہ ہوسکتے تھے اور ایسے ایسے احکام جنکو بجز اس خالق حقیقی کے جو مرد اور عورت کی فطرت اصلی سے واقف اور اُنکا بنانے والا ہو اور کوئی آگاہ نہیں ہوسکتا۔ جو بدرسمیں اور قبیح رواج عورتوں کی نسبت تھے۔ اور جو کچھ اُنکے حق میں ظلم و زیادتی مردوں کی طرف سے ہوا کرتی تھی ان سب باتوں کی اصلاح کی۔ جاہلیت کی بدرسموں میں سے ایک یہہ رسم عام تھی کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا

کے اس قصہ کو طرح دینا اُسکی بے اعتباری کی دلیل ہو سکتا ہے (۲) اُنہیں اہل صحاح نے ان سورہ تحریم کی شان نزول میں نہ صرف یہی کیا کہ اُس قصہ کو باوجود اصلیت چھوڑ دیا ہو بلکہ اُسکے معاوضہ میں ایک ہی سبب یعنے تحریم عسل کی روایت کی ہے (۳) تحریم ماریہ کی سبب روایتیں اخبار احاد ہیں (۴) معنعن ہیں (۵) بعضی مرسل بھی ہیں (۶) کوئی بھی ان میں سے مرفوع نہیں ہے اور ایسی روایتوں سے گو فقہی احکام کا استنباط ہو سکے مگر قطعیت واقعہ اور تاریخی کے ثبوت میں یہہ اخبار بالکل غیر مفید عام ہیں ؛

اب ہمیں تھوڑی سی قدح تفصیلی بھی کرتے ہیں (۱) نسائی نے جو انس سے روایت کی ہے اسمیں ماریہ کا نام نہیں (کانت له امة یطاءها فلم تزل به حفصة وعائشة حتی حرمها) پس کچھ مفید نہیں (۲) طبری نے زید بن اسلم تابعی سے روایت کی ہے مگر اس روایت میں قطع نظر اس سے کہ ام ابراہیم کی کنیت میں اختلاف ہے ایک بڑا نقص یہہ ہے کہ وہ روایت مرسل ہے اور اسی لئے ضعیف ہے علامہ سیوطی نے تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں لکھا ہے۔

ثم المرسل حدیث ضعیف لا یحتج به عند جماهیر المحدثین کما حکاه عنهم مسلم فی صدر صحیحه وابن عبد البر فی التمهید وحکاه الحاکم عن ابن المسیب ومالک والشافعی وکثیر من الفقهاء واصحاب الاصول والنظر للجهل بحال المحذوف لانه یحتمل ان یکون غیر صحابی واذا کان کذالک فیحتمل ان یکون ضعیفا وان اتفق ان یکون المرسل لا یروی عن ثقة فالتوثیق مع الابهام غیر کاف کما سیاتی۔ ولانه اذا کان المجهول المسمی لا یقبل فالمجهول عینا وحالا اولی۔ (۳) طبرانی نے اور ابن مردویہ نے ابو ہریرہ سے معنعن روایت کی ہے جسمیں تحریم ماریہ کا ذکر ہے مگر وہ خبر معنعن ہے اور وہ ویسی ہی غیر معتبر ہے جیسی مرسل (۴) طبرانی کی ایک اور روایت من طریق الضحاک عن ابن عباس۔ الخ ہے اور ضحاک کثیر الارسال ہے اور اسکی روایت ابن عباس سے بلا واسطہ نہیں ہے۔ قال الزین العراقی والضحاک لم یسمع من ابن عباس اور علامہ سیوطی نے اتقان فی علوم القرآن میں لکھا ہے وطریق ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس منقطعة فان الضحاک لم یلقه۔ پس روایت منقطع غیر صحیح ہے (۵) سعید ابن منصور نے الی مسروق اور حضرت عمر سے جو روایت کی ہے اسمیں ماریہ قبطیہ کا نام نہیں اور وہ روایتیں مرسل ہیں پس ضعیف ٹھہرینگی اور نیز اصل راویوں نے اپنا ماخذ نہیں بیان کیا۔

الغرض بعض روایتیں میں قصہ تحریم ماریہ کے ثبوت میں بڑا اہتمام کیا گیا مگر حاصل کچھ نہیں ہوا

جورا و جیب کو جائز کہا ہے اور مردوں کی خودرائی کے تابع کردیا ہے۔ نکاح کے بعد بہت سے
احکام میں عورت کی ذات ہی نہیں قائم رہتی وہ گویا اپنے شوہر میں مستہلک ہو گئی۔ وہ
اپنے نام سے کوئی معاہدہ نہیں کرسکتی اور اسکی ذاتی جایداد جو قبل نکاح سے حاصل کی ہو
وہ بھی شوہر کے ملک میں آتی ہے اور اُسے اختیار ہوتا ہے جیسے چاہے اُسے صرف کردے
عورت کو اتنا بھی حق نہیں ہوتا کہ وہ اپنے نام سے یا اپنی ذات خاص کے لئے ضروریات
خریدے یا منگوا لیجے۔ گو مرد پر نان نفقہ عورت کا واجب ہے مگر ہم انگلستان والوں میں اُسکی
تعمیل کرا پانے کا کوئی صاف ذریعہ نہیں ہے اور عورت نان و کپڑے کی نالش کرسکنے کا
حق ہے مگر کچھ ضمنی صورتیں نکالی گئی ہیں۔ اور بہت سے مدارج بدسلوکی اور اذیت کے
ایسے ہیں جنکا کچھ چارہ نہیں۔ عورت کی کوئی فریاد سنتا ہے نہ عدالت [illegible]
اپنے شوہر سے مفارقت کرکے عرصہ سے الگ رہی مگر جو کچھ جایداد وہ حاصل [illegible]
کی ہوگی۔ اگر عورت پیشتر سے کچھ بندوبست نہ کرائے تو عورت کا وہ مال [illegible]
مفارقت میں حاصل کیا ہے اُسکے شوہر کے قرضخواہ اُس سے [illegible]
اختیار حاصل ہے چاہے وہ اپنے جین حیات میں غیروں کو دیدے [illegible]
جب ایسے دستور جاری ہوں اور مرد تنگ مزاج اور ظالم ہو تو عورت کی [illegible]
ہوتی ہے علاوہ ازیں بعضی باتوں میں عورتوں کی رعایت اور مردوں کی حق تلفی بھی ہے
جرائم سنگین میں اتنی نہیں مگر دو جرموں میں اگر عورت اور مرد دونوں اُسکے مرتکب ہوں
تو عورت سزایاب نہ ہوگی۔ احسان کی وجہ سے عورت کو یہاں تک پہنچتا ہے کہ زنا کی سزا سے
محفوظ ہے۔ اور اگر عورت اپنے شوہر کا کیسا ہی مال و متاع لے جاوے تو اُسکی پرسش نہ ہوگی
اگر کوئی غیر شخص صرف مال کے لالچ سے (بغیر زنا) عورت کے ساتھ اُسکے شوہر کا مال نکلوا لیجاوے
تو اکثر صورتوں میں تو دونوں میں سے ایک بھی سزا نہ پاوے۔ غرض یہہ سب افراط اور تفریط
کے بے موقع قانون ہیں جنکی مہذب قومیں پابند ہیں۔ گو اب اُسکے ابطال کے لئے بہت کچھ
زور مارتی ہیں اور اسکی شناخت اور قباحت رفع کرنے کو حیلے بھی پیدا کئے ہیں مگر وہ امیروں
کے لئے۔ اوسط اور ادنے درجہ کی قومیں اُنسے محروم ہیں۔ البتہ اسکاٹلینڈ کے قانون بعض
باتوں میں کچھ معقول ہیں۔ مگر پھر بھی سب کے سب احکام الٰہی اور وحی کی اصلاح کے
محتاج ہیں +

اسکی سب بیٹیوں کا جبراً اور کرہاً وارث ہوا کرتا تھا اور اُن سے نکاح بھی کر لیتا تھا مگر ان سب قبیح اور مکروہ دستوروں کو قطعاً موقوف کیا۔

"یا ایھا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا" اور "ولا تنکحوا ما نکح اٰباءکم من النساء الا ما قد سلف انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا" (نساء)

ایک مقام پر آنریبل ولیم میور صاحب اپنی سیرت محمدی (ج ۳ ص ۳۰۳) میں اسکا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک امر خاص میں محمد صلعم نے عورتوں کو ایک سخت اور ناگوار قباحت سے چھڑا لیا۔ وہ یہہ تھی کہ بیٹا اپنے باپ کی بیٹیوں کا وارث ہوا کرتا تھا۔

یہہ رسم جیسی کہ قدیم سے ہوتی آئی تھی اسوقت میں بھی اسکی ایک مثال ہے یعنے زید بن عامر بن نفیل اور حضرت عمر ابن خطاب بن نفیل باہم چچیرے بھائی اور ایک حساب سے چچا بھتیجے تھے یعنے عامر نے اپنے باپ کی بیوہ جیدہ سے نکاح کیا اور اُس سے زید ہوا جو عامر کا بیٹا اور نفیل کی بیوی کا بھی بیٹا ہوا۔ (الیفاح ج ۲ ص ۵۲) جو جو ایسی صورتیں ہوئیں اور جو لوگ بھی اسوقت موجود ہونگی وہ الا ما قد سلف کے حکم میں ہیں۔ بنی اسرائیل بھی ایسا کرتے تھے (۳ صمو ۱۶۲/۲۲۷)۔

(۳) عورت کو قرآن نے جملہ حقوق اور اختیارات میں مرد کے ہمرتبہ اور تمام قابلیتوں میں مردوں کے مساوی قرار دیا ہے۔

(۱) لھن مثل الذی علیھن بالمعروف † (ج ۲)

(۲) للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن ‡ (نساء ع ۵)

بجز اس ایک قدرتی فرقیت کے جو صانع مطلق نے مرد کو عورت پر دی ہے۔

(۳) الرجال قوامون علی النساء ‖ (۵ ح ۳ ع)

(۴) وللرجال علیھن درجۃ ¶ (بقرہ ح ۲۸ ع)

عورتوں کے حقوق کے باب میں قدیم رسوم سے قطع نظر کرکے صرف انگلستان کے قانون کو دیکھا جاوے کہ ان لوگوں نے باوجود اصلاح و تہذیب عورتوں کے حق میں کیسے

---

† عورتوں کا بھی حق ہے جیسا اُن پر حق ہے موافق دستور کے (بقرہ ع ۲۸)

‡ مرد کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے (ع ۵)

‖ مرد حاکم ہیں عورت پر۔

¶ مردوں کو عورتوں پر درجہ ہے۔

رہنے کے نہیں ہوتیں۔ اسلئے ضرور ہوا کہ فطرت کی راہ سے انہیں باہم مودت اور راز خلق سکھاوے۔ اور یہہ سب مصلحتیں جو نکاح کے دائمی قائم رکھنے سے خیال میں آسکتی ہیں ان دو لفظوں میں بیان کردیں۔

محصنین غیر مسافحین † (نساء)

اس جملہ کی پہلی جزو محصنین میں تمام حکمتیں اور بھلائیاں جو نکاح سے مقصود ہیں داخل ہیں اور جزو دوم غیر مسافحین میں تمام قباحتیں جو چند روزہ نکاح اور غیر منضبط طریق سے باہم معاشرت کرنے سے پیدا ہوتی ہیں منع کردیگئیں۔ درحقیقت یہہ فقرہ عجیب جامع اور مانع ہے اور اسمیں اثبات اور نفی سے تمام حکمت منزلی کے مصالح اور مفاسد سکھلادیئے ہیں۔

(۱۵) جبکہ اس بیان سے نکاح کی مصلحتیں معلوم ہوئیں تو اسکی مقتضا سے طلاق کی ممانعت بھی (الا بعض ناگزیر حالتوں میں) ثابت ہوئی کیونکہ برابر نکاح اور طلاق کی رسم جاری رکھنے میں صرف عورتوں سے لذت حاصل کرنی ہے حالانکہ اسلام نے نکاح کی اصلی علت محصنین قراردی ہے نہ کہ مسافحین۔ پھر جبکہ نکاح کی بنیاد تعاون پر ہے اور مرد وعورت باہم باعث اطمینان اور ایکدوسرے کے مددگار دینی اور دنیاوی باتوں کے ہوئے (جیسا کہ لباس کی تشبیہ سے ظاہر ہے) تو پھر جب طلاق کی رسم نکلی تو یہہ بات جاتی رہی۔ علاوہ ازیں اس رسم سے دونوں کے دلوں پر سے اس عقد اور نظم کی عظمت بھی جاتی رہتی ہے۔ ایک کو دوسرے پر اطمینان اور اعتماد نہیں رہتا۔ باہم کا نیاز اور اخلاص جاتا رہتا ہے دلوں میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے اور طلاق کے اندیشہ میں خیانت اور اضطراب اور تربیت اولاد میں بالکل بے ترتیبی اور اصلاح منزل میں ابتری پڑجاتی ہے۔ اور جہاں جہاں قرآن مجید میں نکاح کا ذکر اور زنا سے ممانعت ہے انہیں مقامات میں ان سب قباحتوں پر بھی اشارہ ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجت اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں (ص ۳۲۵)۔

اعلم ان الاکثار من الطلاق وجریان الرسم بعدم المبالاۃ بہ مفاسد کثیرۃ وذالک ان ناسا ینقادون لشہوۃ الفرج ولا یقصدون اقامۃ تدبیر المنزل ولا التعاون فی الارتفاقات ولا تحصین الفرج وانما مطمح ابصارہم التلذذ بالنساء وذوق لذۃ کل امراۃ فیہیجہم ذالک الی ان یکثروا الطلاق والنکاح ولا فرق بینہم وبین الزناۃ من جہۃ ما یرجع

† قید میں آنے کو نہ مستی نکالنے کو ٭

(۱۳) تمام ممالک ایشیا میں خصوصاً یہودیوں اور یونانیوں میں نکاح ایک قسم کی خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا تھا کہ بیاہ کرنے والا لڑکی کے باپ کو ایک رقم معین دیتا تھا۔ (پیدایش ۳۴ و ۱۲۔ اصمول ۱۸ و ۲۵۔ اور ہوسیع نبی نے اپنی بیوی پندرہ روپیے اور ڈیڑھ حمر جو کو خریدی تھی ۳۔۲) اور ابتک بھی یہہ رسم ڈروس ترک اور ملک ہاوران کے عیسائیوں اور بعض اعراب میں ہی مگر قرآن نے نکاح ایک عقد قرار دیا جو طرفین کے اختیار اور رضامندی سے ہوتا ہے اور زر مہر عورت کے باپ کو نہیں ملتا بلکہ خود عورت کا حق ہوتا ہی۔

"واٰتوا النساء صدقاتهن نحلة ۔ †" (نساء ۱ع)

"فما استمتعتم به منهن فاٰتوهن اجورهن فريضة ‡" (نساء ۴ع)

بعضے اعتراض کرنے والوں نے لفظ اجر پر اک گونہ تعریض کی ہے گویا اُسکو نامناسب لفظ سمجھے مگر در اصل اسمیں اشارہ ہے اس پر کہ زر مہر عورت کا اجر ہے جسکی وہ مستحق ہے نہ کہ اُسکی قیمت جو اسکا باپ لے لے ۔

(۱۴) قرآن نے عورت اور مرد کی باہمی گذران میں کمال عدالت اور محبت کو برابر قائم رکھنا ضرور قرار دیا ہی اور مہر کا تقرر اور نکاح فسخ ہونے کی صورت میں واجب الادا اور نا قابل نقصان ہونے کی وجہ سے عورت کو خوشدل مطمئن رہنے اور مرد کو اسکا نیاز مند اور محتاج الیہا ہونے اور ہمیشہ کو ملے رہنے کی تدبیر کردی۔ اتحاد زوجین کی برکت اور مسرت اور اُسکے نتیجہ میں حسن معاشرت کی حالت سے قرآن خوب واقف ہے۔

وخلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة ⁑ (روم ۳ع)

اور پھر بھی اسی طمانیت اور محبت و نرم دلی کو جو باہم زوجین میں ہونی چاہئیے ایک دائمی اور غیر قابل انتزاع اور لازوال اور غیر لائق انفصام تشبیہ میں بیان فرمایا۔

"هن لباس لكم وانتم لباس لهن ¶ (بقر ۱۸۳)۔

اور چونکہ اصلی غرض تجویز نکاح سے اقامت تدبیر منزل اور تعاون باہمی انتظام خانہ داری اور تحصین فروج ہے اور یہہ باتیں بغیر دائمی نکاح اور آپس میں مثل لباس ایکدوسرے کے محتاج

† اور دے ڈالو عورتوں کو اُنکے مہر خوشی سے ۔

‡ پھر جو تم کام میں لائے ان عورتوں میں سے اُنکو دو اُنکے حق جو مقرر ہوئے ۔

⁑ بنادی تمکو تمہاری قسم سے جوڑی کہ چین پکڑو اُنکے پاس اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہر ۔

¶ وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو اُنکی ۔

میں قرار پایا زنا کے بعد بھی طلاق نہیں ہو سکتی۔ انگلستان وغیرہ ملکوں میں جب سے اصلاح ہوئی تب سے قاعدہ طلاق میں کچھ تبدیلی ہوئی۔ نیویارک میں صرف زنا پر طلاق ہوتی ہے۔ اور اور ملکوں میں زنا پر اور نہایت ظلم سے بدسلوکی پر اور قصداً مفارقت اختیار کرنے پر۔ اور عرصہ دراز تک نامعلوم غائب رہنے پر بھی طلاق ہوتی ہے۔ اور انگلینڈ میں طلاق کا باعث زنا اور ایذارسانی ہی ہوتا ہے۔ اور اسکاٹ لینڈ میں زنا یا قصداً چھوڑکر چلے جانے سے طلاق ہو جاتی ہے۔ انگلستان میں قانون وکٹوریا جاری ہونے سے پہلے ایسی عورت کے لئے جسے خاوند نے قصداً چھوڑ دیا ہو چارہ جوئی اور دادرسی کی سبیل نہ تھی۔ اب ایسی صورت میں عدالت سے افتراق ہو جاتا ہے اور اگر مفارقت کے ساتھ زنا بھی ہم ردیف ہو تو طلاق بھی ممکن ہے۔

(۱۷) قرآن نے مرد کو کبھی اختیار نہیں دیا کہ بلاوجہ شدید اور بغیر پیشتر کی اطلاع کے دفعۃً واحدۃً اور مطلقاً اور فوراً اور بلا کسی شرط کے طلاق دیدے اور معاشرت اور تمدن کی خوبی اور خوشی اور برکت کو اپنی تنگ مزاجی یا شکررنجی سے کھو ڈالے اور برباد کر دے۔ میں یہاں چند اشارے کلام مجید سے طلاق کی ممانعت پر نقل کرتا ہوں۔

(۱) وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا (نساء ۳ع)۔

یعنے گذران کرو عورتوں کے ساتھہ اخلاق سے پھر اگر وہ تمکو بری معلوم ہوں تو (اسپر صبر کرو اور انکو جدا نہ کرو) شاید تمکو نہ پسند آوے کوئی چیز مگر خدا نے اسی میں اصلاح اور خیر اور برکت رکھی ہو۔ دیکھو تفسیر مدارک مندرجہ دفعہ سابق۔

(۲) وبعولتھن احق بردھن فی ذالک ان ارادوا اصلاحا (بقر ۲۸ع)

یعنے عدت کے زمانہ میں انکے خاوندوں کا حق ہے انکا پھیر لینا اگر چاہے صلح کرنی۔ اسمیں ترغیب ہے اسپر کہ ملے رہنے میں اصلاح ہے اور الگ ہو جانے میں فساد۔

(۳) لایحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا۔ الایۃ (بقر ۲۹ع)

یعنے تمکو حلال نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں کو۔ الخ۔ اسکو ملاؤ اس آیت سے جہاں مہر کو قنطار کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یعنے ڈھیروں بلا تعداد۔ پس اسمیں بھی مصلحت ہے کہ زر مہر سے کچھ بھی لے لینا حرام ٹھہرا۔ اور ادھر مہر کی کوئی حد نہیں رکھی تو یہہ اسی ممانعت طلاق کا بندوبست ہے۔

الی نفوسهم والتمیز واعنهم باقامة النكاح والموافقة لسياسة المدينة وهو قوله صلی الله علیه وسلم الذواقین والذواقات۔ وایضا فی جریان الرسم بذالك اهمال لتوطین النفس علی المعونة الدائمة او شبه الدائمة وعسی ان فتح هذا الباب ان یضیق صدره وصدرها فی شیء من محقرات الامور فیندفعان الی الفراق۔ واین ذالك من احتمال اعباء الصحبة والاجماع علی ادامة هذا النظم وایضا فی اعتیادهن بذالك وعدم مبالاة الناس به وعدم حزنهم علیه یفتح باب الوقاحة۔ وان لا یجعل کل منهما ضرر الآخر ضرر نفسه۔ وان یخون کل واحد الآخر ویهیء لنفسه ان وقع الافتراق وفی ذالك ما لا یخفی۔

(١٦) طلاق کی رسم تو یہودیوں میں عام اور بکثرت تھی اور موسوی شریعت میں اُسکو شاید مطلقاً جائز کر دیا تھا حتی کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو اسکا عذر کرنا پڑا (متی ١٩/٨)۔ حضرت مسیح سے کچھہ پیشتر نکاح کے باب میں فقہای یہود میں دو مذہب ہو گئے تھے۔ شماعی اور اُسکے مقلدوں کی یہہ راے تھی کہ صرف فعل قبیح کے ارتکاب پر یا فاحشہ مبیّنہ پر طلاق دیجاوے۔ اور ہلل اور اسکے مقلدوں کا یہہ مذہب تھا کہ ادنے سی خطا پر بھی عورت کو طلاق دیدینی چاہئے اُن لوگوں کا یہہ قول تھا کہ اگر کسی کو اپنی عورت بُری معلوم ہو تو اُسکو نکال ڈالے۔ (استثنیات ٢٤ و ١)۔ ربی عقیبہ کہتا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو اپنی عورت سے خوبصورت پاوے تو اپنی عورت کو نکال دے کیونکہ لکھا ہے کہ اگر وہ اُسکی نظر میں اچھی نہ معلوم ہو۔ الخ قرآن صریح اسکے خلاف کہتا ہے "فان کرهتموهن فعسی ان تکرهوا شیئا ویجعل الله فیه خیرا کثیرا † (نساء ٣ع)۔ معلم ہلل کہتا ہے کہ اگر کسی کی عورت اپنے شوہر کا کھانا بہت نمک ڈال کے خراب پکاوے یا اُسے زیادہ بھون دے تو وہ عورت طلاق دیدی جاوے۔ مگر قرآن کہتا ہے "لاتدری لعل الله یحدث بعد ذالك امرا ‡ (طلاق)

یورپ کے ملکوں میں رومن کیتھلک مذہب کے روسے تو جیسا کہ کونسل آف ترنیٹ ١٥٦٣ع

---

† پھر اگر وہ تمکو نہ بھاویں تو شاید تمکو نہ بھاوے ایک چیز اور الله رکھے اُس میں بہت خوبی۔
المعنی فان کرهتموهن فلا تفارقوهن بکراهة الانفس وحدها فربما کرهت النفس ما هو اصلح فی الدین واولی الی الخیر واحبت ما هو بضد ذالك ولکن النظر فی اسباب الصلاح وانما صح وعسی ان تکرهوا جزاء للشرط لان المعنی فان کرهتموهن فاصبروا علیهن مع الکراهة فلعل لکم فیما تکرهون خیرا کثیرا لیس فیما تحبونه (مدارك التنزیل نسفی)

‡ اُسکو خبر نہیں شاید نیا نکالے الله اسکے پیچھے کوئی کام ۔

(۲) دوسری صورت امکان طلاق کی یہہ ہے کہ عورت زنا کرے۔ چونکہ خدا نے نکاح کو تحصین کا ذریعہ بنایا ہے اور ہر جگہ محصنین غیر مسافحین اور ولا متخذی اخدان کے لفظ فرمائے ہیں† تو جب اسکے خلاف کوئی فعل ہوگا وہ فطرت الٰہی وضع ربانی اور شرع اسلامی کے خلاف ہوگا‡ ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اتیتموھن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ (نساء ۳ع) یعنے جائز نہیں کہ تم اپنی بیبیوں کو بند کر رکھو تاکہ اُن سے کچھ مہر میں سے چھڑوالو مگر اس حالت میں کہ جب وہ صریح بے حیائی کا کام کریں عن الحسن الفاحشۃ الزنا فان فعلت حل لزوج ان یسالہا الخلع (مدارک) یعنے حسن کہتا ہے کہ فاحشہ سے مراد زنا ہے اور جب عورت زنا کرے تو مرد کو جائز ہے کہ اُس سے خلع چاہے۔ اور یہی مضمون سورۂ طلاق کی پہلی آیت میں بھی ہے۔ "ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ" یعنے مت نکالو اُنکے گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں صریح بے حیائی۔

(۳) تیسری صورت امکان اور جواز طلاق کی مگر نہ خواہ مخواہ طلاق کی۔ یہہ ہے کہ نشوز اور ایذا اور بدخلقی۔ عداوت۔ نفاق۔ سوء العشرۃ اور فساد منزل کی صورتیں پیش آویں اسکا علاج طلاق ہی نہیں بلکہ اسکی تدارک اس طرح پر چاہیئے۔

(ا) "والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا"۔ (نساء ۶)

یعنے جن عورتوں کی بدخوئی کا تمکو ڈر ہو تو انکو سمجھادو اور جدا کرو سونے میں اور اگر اسپر بھی نہ مانیں تو مارو (آہستہ سے تادیباً) پس اگر مان جاویں تو اپنر الزام نہ تلاش کرو (یعنے طلاق نہ دو)۔

(ب) "وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما"۔

یعنے اگر تم ڈرو کہ وہ دونو آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے۔ اگر یہہ دونو (منصف) چاہینگے صلاح تو خدا ملاپ کر دیگا اُن میں +

(ج) "وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا

---

† نساء ۴ع (مکرر) اور مائدہ ۱ع

‡ اسکے پہلے کرۂ پر وقف موجود ہے اور یہہ جملہ مستانفہ اور جدید ہے۔

۲۹ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ فان طلقها فلا جناح علیهما ان یتراجعا یعنے اگر کوئی تیسری یا آخری طلاق دیدے تو پہر وہ اُسپر حلال نہیں ہوسکتی مگر اُس صورت میں کہ وہ عورت کسی اور سے نکاح کرلے اور پہر شاید وہاں سے ایسی ہی نااتفاقی ہوکر طلاق تک نوبت آوے تب ہوسکتا ہے۔ اسمیں ہمیشہ حرام ہوجانے کی دہمکی اسی ممانعت طلاق کی تدبیر ہے۔ اور جب ایسی ایسی تحریریں اور تدبیریں منع طلاق کی ہیں تو دوسری جگہ سے طلاق کیوں ہونے لگی تہی۔

(۵) زید نے اپنی بی بی کو طلاق دینا چاہا جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً منع فرمایا۔

وامسك علیك زوجك واتق الله (احزاب ۲۲ ح)۔

(۶) والصلح خیر (نساء ۱۹ ع) یعنے عورت اور مرد میں باہم صلح کرلینی خوب چیز ہے۔

(۷) ولا تدری لعل الله یحدث بعد ذلك امرا (طلاق)

یعنے کیا معلوم ہے کہ خدا اسکے بعد نیا کام نکالے یعنے انہیں صلح کی توفیق اور ترک ارادہ طلاق کی سبیل کردے۔

(۱۸) قرآن میں دو ہی تین موقع طلاق کے جائز ہوسکنے کے پائے جاتے ہیں اور وہ صورتیں وہی ہیں جو اصلی اور قدرتی عقد کی غرض ہے اور نکاح کے مقصود کے خلاف ہیں اور ایسی صورتوں میں طلاق کو جائز رکہنا عین حکمت اور مصلحت ہے۔

(۱) ایک صورت طلاق کو بے الزام جائز رکہنے کی یہہ ہے کہ عقد کے بعد اور خلوت ہونے سے پیشتر طلاق دیدی جاوے تو اسمیں کوئی گناہ یا قباحت عقلی نہیں ہے کیونکہ یہہ نکاح کوئی لغوی نکاح نہیں ہے بلکہ اصطلاحی نکاح ہے یعنے وہ ایک معاملہ ہے قول وقرار کا اور اس سے وہ غرض جو فطرت الٰہی میں خلق ازواج سے ہے حاصل نہیں ہوئی ہے۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن (بقرا ۳۱ ع)

یعنے اگر عورتوں کو جن سے عقد ہوا ہو ہاتہہ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ الخ۔ ایسے ہی احزاب کی ۴۸ آیت ۶ ع۔ ایسے اصطلاحی نکاح میں بہی عورت کے لئے بڑی رعایت اور احسان کیا ہے یعنے جب ایسی صورت میں مہر نہ مقرر ہوا ہو تو دستور کے موافق اُسکو خرچ دینا چاہئے اور اگر مہر مقرر ہوچکا ہو تو نصف مہر دینا چاہئے اسقدر تو ضروری ہے الا عورت سب چہوڑدے یا مرد سب دیدے تو اور بہی بہتر ہے (دیکہو اسی آیت کی بعد آیتیں)۔

لاتخرجوھن من بیوتھن ولایخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینہ (طلاق)

(۳) جہاں مرد خود رہے وہیں عدت والی عورت کو بھی رکھے۔

"واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن (طلاق)۔ یہہ سب تدبیریں اس مصلحت سے ہیں کہ انکے باہم سے رنجش دور ہو اور باہم رغبت کریں اور پھر کوئی ناعاقبت اندیش ذرا سی بدمزاجی یا اختلاف پر طلاق نہ دے بیٹھے۔

(۴) بالآخر سورہ طلاق میں یہہ بھی ہے کہ عدت پوری ہو جانے کے بعد یہہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ طلاق ہی دیجاوے اور مفارقت ہی اختیار کی جاوے بلکہ یہہ حکم ہے:

"فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف"۔

یعنے جب وہ پہنچیں اپنے وعدہ کو تو یا رکھ لو دستور سے یا جانے دو دستور سے۔

(۲۰)۔ اکثر مخالفوں نے قرآن میں طلاق کے احکام مکرر دیکھ کر سمجھا کہ صاحب قرآن کی نظر میں یہہ ایک ہلکی سی بات ہے اور عدم مبالات کی نظر سے دیکھہ کر سمجھتے ہیں کہ قرآن نے عموماً طلاق کے جواز سے حسن معاشرت کی خرابی تدبیر منزل کا فساد اور باہم آسایش کی گذران میں بدنظمی اور ترتیب اولاد میں ابتری روا رکھی۔ مگر ان لوگوں نے ان حکموں میں کبھی غور سے نظر نہیں کی۔ کسی فقیہہ سے احکام پوچھ لئے یا احکام قرآنی کو اسکی رائے پر حمل کر لیا اور ظاہر ہے کہ فقیہہ کا منصب حمایت اسلام و دفع مطاعن نہیں ہے اسکو ہر ایک صورت اور ضرورت کے احکام جو احکام قرآنی اور رائے اور قیاس سے نکل سکیں بتا دینے سے کام البتہ متکلمین اسلام کا یہہ کام ہے۔

طلاق کو ایسے ناگزیر اور سخت موقع پر جنکا ہمنے بیان کیا ہے جائز رکھنا انسان کے حق میں بڑی بہبودی اور احسان کا کام ہے۔ ایسے ازدواج سے جسمیں دونو کی زندگی حرام اور عیش تلخ ہو مخلصی دلانا عین حکمت ہے۔ جو لوگ طلاق کے باب میں بہت سخت ہیں وہ بھی دو ایک صورت طلاق کی جائز رکھتے ہیں۔ پھر جب کسی ضرورت شدید سے اُسکا جواز ماننا پڑا تو پھر اسکے احکام قلمبند نہ کرنے بے عقلی ہیں اور نہ ان احکام کے بیان سے طلاق کی اباحت ایسی بے پروائی۔ آزادی اور مطلق العنانی سے ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر ایام جاہلیت کی رسوم ازدواج و طلاق کو دیکھا جاوے تو ثابت ہووے کہ جملہ احکام طلاق ان بدرسموں کی اصلاح اور تہذیب میں صادر ہوئے ہیں جنکی حرکتیں بہائم اور درندوں کی مانند تھیں یا اُن

بینھما صلحاً والصلح خیر واحضرت الانفس الشح و ان تحسنوا و تتقوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا۔" (نساء ۱۹ع)

یعنے اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو وہ دونوں آپس میں صلح کرلیں اور صلح خوب چیز ہے اور جیوں کے آگے دھری ہے حرص۔ اور اگر تم نیکی کرو ان عورتوں سے (اس طرح پر کہ گو وہ تمہیں ناگوار ہوں مگر تم صبر کئے رہو اور انکی صحبت کی رعایت کرو) اور بچو (لڑنے سے اور جی پھر جانے سے) تو خدا کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے)۔

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے حرامکاری کی صورت میں طلاق جائز رکھی ہے مگر جس لفظ کا ترجمہ حرامکاری کیا جاتا ہے وہ نہ صرف زنا ہی کے واسطے ہے بلکہ اس سے نشوز اور بیوفائی اور غدر جو عورت کی طرف سے ہو مراد ہے چنانچہ سلڈن اور ملٹن نے رسالہ اگزوریعبریہ اور اعتقادات عیسویہ میں بہت سی اسناد ربانیان یہود کے محاورے اور کتب مقدسہ کے حوالوں سے ثابت کیا ہے۔

(۱۹) جبکہ مرد اور عورت میں جو ایک بڑی مضبوط زنجیر اور پکے عہد سے باندھی گئی اور فطرت الٰہی کے قانون کے محکوم ہیں کوئی وجہ شدید اور باعث قوی نہ بسر ہو سکنے یا غرض اصلی کے نہ حاصل ہو سکنے کا ہو تو نا اتفاقی شدید اور بے لطفی ناقابل برداشت کی حالت میں یا زوج کے ترش مزاج یا تلون طبع ہونے کی صورت میں اس عہد موثق اور عقد و ایجی کا ایسی آسانی سے دفعتاً اور بغتۃً ٹوٹ جا سکنے کا حکم نہیں دیا بلکہ علاوہ ان تدارک اور تدبیروں کے جن کا بیان پچھلی دفعہ میں مفصل گذرا جب بناچاری و مجبوری ارادہ طلاق اور قصد مفارقت کی نوبت آجاوے تب بھی ایک مدت دراز کی مہلت فکر اور غور کرنے کو دیگئی اور اس عرصہ میں بھی کئی ایک تدبیریں صلح کی قائم کردیں۔

(۱) اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ واتقوا اللہ † (سورۃ طلاق ۱) عدت کے مقرر ہونے میں ایک خاص اور بڑی مصلحت یہی ہے کہ باہم صلح ہو جاوے اور بعولتھن احق بردھن فی ذالک کا بیان اس پچھلی دفعہ میں گذرا۔

(۲) پھر اس عدت میں عورت کو اپنے گھر سے نہ جانے دینا چاہئے اور نہ وہ عورت خود جاوے الا یہ کہ زنا کی صورت ہو۔

† جب تم طلاق دو عورتوں کو تو طلاق دو انکی عدت پر اور گنتے رہو عدت اور ڈرو اللہ سے۔

منکم والصالحین من عبادکم وامائکم۔ ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ †
(نور ۴ع)۔ اس آیت کا آخری فقرہ کہ اگر وہ لونڈی اور غلام محتاج ہونگے تو خدا انکو اپنے فضل
سے مالدار کردیگا۔ اسپر دلیل ہے کہ غلام بہی اپنے مال کے مالک ہوتے ہیں۔ اگلے زمانہ میں
اور اب بہی غلاموں کی یہہ خرابی ہے کہ وہ آپ کسی جائداد کے مالک نہیں تصور کئے جاتے
اور اسی وجہ سے غلاموں کے مالک اُنکو ازدواج سے بہی محروم رکہتے تہے۔

اہل عرب اپنے باپ کی جوروؤں کے نکاح میں مضائقہ کرتے تہے اس طرح کہ وارث خاندان
اپنی سوتیلی ماؤں کو روک رکہتا تہا تاکہ وہ دوسری شادی نہ کریں۔ اور عیسائیوں میں ایک
قسم ایسی عورتوں کی تہی جو تمام عمر بے شوہر رہتی تہیں۔ اور ایک فرقہ ایسے مردوں کا تہا جو
مذہبی امور کی پابندی سے تمام عمر نکاح نہیں کرتے تہے۔ اور پوپ اور کونسل کے فتوی اس
باب میں بہت سی قباحتوں کے باعث ہوئے اور اُنکی بنا نہ صرف پوپ کی بدعات اور رسوم
پر تہی بلکہ پولوس مقدس کی رائے کا رجحان بہی باوجود طمطاؤس $\frac{۲۵}{۱۴}$ کے اسی طرف تہا
دیکہو اول قرنتیون باب ۷ درس ۸ و ۲۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۴۰۔ اور جو جو قباحتیں اُن
بدرسموں کے پیدا ہوتے ہیں اور جو جو قاعدے کلیسا میں بڑے بڑے عہدے پانیوالوں
کے تجرد کے لئے مقرر ہوئے اُنکی ایک بڑی تاریخ ہے۔ عیسوی مشائخ میں سے۔ جیروم
(سنہ ۴۲۰) اور امبروس (سنہ ۳۹۷) اور رومانی اسقفون میں سے داماسیوس (سنہ ۳۸۴) اور
سری سیوس (سنہ ۳۹۹) اسکے بڑے حامی تہے اور سنہ ۳۰۵ع کی کونسل البریس میں بشپ
اور ڈیکن اور پادریوں کو تجرد کا عام حکم ملا۔ اور تولیدو کی کونسل سنہ ۵۸۹ع میں یہہ حکم نکلا کہ
کلرجی (یا پادری ؟) کسی عورت سے مشتبہ پایا جاوے تو قاضی اُس عورت کو بیچڈالے اور اُسکی
قیمت مسکینوں کے صرف میں لاوے۔ اسقف جرجیس اکبر تجرد کے مسئلہ کا بڑا حامی تہا اور
ایک نقل مشہور ہے کہ جب اُسنے اپنا تالاب صاف کرایا تو اسمیں چہہ ہزار بچوں کی کہوپریاں
نکلیں۔ یہہ نتیجہ اُس قانون کا تہا جسمیں اُسنے دینی عہدہ داروں کو مناکحت سے ممانعت کی تہی
اس نتیجہ میں جو جو خرابیاں ہوئیں اُنہیں سے ایک یہہ بہی ہے کہ پادریوں کے لڑکے جو باوجود
اس تجرد کے ہوئے بغیر نہیں رہتے تہے کالعدم قرار دئے گئے اور بنیڈکٹ ۸ نے کونسل
پیونیا سنہ ۱۰۲۲ میں اُن لڑکوں کو کالعدم قرار دے کے ہمیشہ کی غلامی میں دے دیا اور

---

† اور بیاہ دو رانڈوں کو جو تم میں ہوں اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں اگر وہ ہونگے مفلس
اللہ ان کو غنی کرے گا اپنے فضل سے +

شدید التعصب کے وہم باطل کی دوستی کے لئے تھے جو وقوع زنا پر بھی طلاق کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ پس ان سب افراط اور تفریط پر نظر کرکے اسکی قباحتیں روکی گئیں اور برائیاں دفع کی گئیں نہ کہ ازسرنو اجازت دی گئی ہو یا ابتداءً جاری کیا ہو۔

(۲۱)۔ اب ہم پھر اُن احسانات اسلام کا بیان کرتے ہیں جو بنی نوع انسان پر مبذول فرمائے گئے۔ ایام جاہلیت میں طلاق کے حیلہ سے بہت ظلم کیا کرتے تھے مثلاً عورتوں کو حبس کر رکھتے تھے یا معطل چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ زر مہر میں سے کچھ چھوڑ دیں یا طلاق کے بعد بھی اُنکو اس غرض سے روک رکھتے تھے کہ کسی اور سے نکاح نہ کریں تاکہ زوج سابق کی ذلت نہو مگر قرآن نے ان سب باتوں کو منع کیا اور زن مطلقہ سے کچھ واپس لینا کیسا اُلٹا اُسے کچھ دینا واجب ٹھہرایا۔

(۱) "ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ" یعنے عورتوں کو بند نہ کرو ستانے کے لئے اور جو کوئی ایسا کرے اُسنے اپنے حق میں بُرا کیا (البقرہ ۲۹ع)

(۲) "فاذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف" یعنے جب طلاق دی تمنے عورتوں کو اور وہ پہنچ چکیں عدت کو تو اب نہ روکو اُنکو کہ نکاح کرلیں اپنے خاوندوں سے جب راضی ہو جاویں موافق دستور کے (ایضاً ۳۰ع)۔

(۳) اسمیں اس بات کا اشارہ نکلتا ہے کہ عورت کے میکے کے لوگ اُسکو بعد عدت اپنے شوہر سے پھر ملجانے کو نہ روکیں۔

(۴) وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین (البقرہ ۳۱ع)

(۵) اگر طلاق پانیوالی عورت پیٹ سے بھی ہو تو جب تک وہ بچہ نہ جنے اُسکو کھانا کپڑا اپنی حیثیت کے موافق دینا ضرور ہے اور اگر بچے کو دودھ بھی وہی پلاوے تو پھر اُسکی اُجرت جدا گانہ

(۶) "وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن فان ارضعن لکم فآتوھن اجورھن" (طلاق)۔ یعنے اگر وہ عورتیں پیٹ سے ہوں تو اُنکو نفقہ دو جب تک بچہ ہو اور اگر دودھ پلاویں تو اُنکو دو اُن کی مزدوری۔

(۲۲)۔ بیووں کے نکاح اور لونڈی اور غلاموں کے نکاح کا عام حکم عرب کی رسم کے خلاف اور روش کیتھولک کے علی الرغم جاری کیا چنانچہ فرمایا ہے:۔ "وانکحوا الایامی

بھی میں تسلیم نہیں کرتا کیونکہ فانکحوھن باذن اھلھن میں صاف نکاح کا حکم ہے اور پھر دوسرا فقرہ محصنات غیر مسافحات اور لا متخذات اخدان اور بھی صونیں مراد کی ہیں۔ اور ضمانت کے واسطے مہر کا تعیین کنیزکوں سے ویسا ہے جیسا کہ آزاد سے و آتوھن اجورھن بالمعروف اور دیدو انکو انکے مہر موافق دستور کے (النساء ع ۴)۔ اور یہہ بات کہ مسلمان کبھی اس رسم ملک یمین کے [illegible] انہی ہونگے اسکا جواب فقہا کے ذمہ ہے

(۳) **اعتراض۔** یہہ اکثر کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کی حالت میں تہذیب اور اصلاح کی مگر [illegible] اسلام نے [illegible] کی صورت میں بہ نسبت زمانہ جاہلیت کے عورت کی حالت زیادہ تر ذلیل اور پست کر دی۔ البتہ ایک امر خاص میں تو یعنے بیٹی کا اپنے باپ کے بیروں کا وارث ہونا اسمیں تو اسلام نے عورت کو ایک سخت اور شدید خرابی جہالت سے چھوڑایا ہے اور کوئی آزاد عورت شریعت اسلام کے رو سے اپنی مرضی کے خلاف نکاح کرنے پر مجبور نہیں ہو سکتی مگر ازدواج کی صورت میں جو حیثیت عورتوں کی اسلام نے قرار دی ہے وہ ایک ایسی کمینی اور ذلیل مخلوق ہے جو اپنے شوہر کی خدمت کے لئے [illegible] کی گئی ہے اور بغیر ایک گھنٹہ کے پیشتر سے خبر دینے کے نکال دیجاتی ہے اور خاوند کو ایسا اختیار مطلقاً [illegible] بغیر عذر و تامل طلاق دینے کا دیا ہے مگر عورت کے لئے کوئی رعایت [illegible] کی نہیں رکھی وہ تو اپنی مرضی کے خلاف اور معطل ہمیشہ اپنے خاوند کی [illegible] ہوئی اور معلق رہتی ہے۔ جبکہ درحقیقت طلاق ہو جاوے تو اپنے مہر کا دعوے کر سکتی ہے۔ گو اس بات کا علم کہ عورت ایسا دعوے کر سکتی ہے وفقتاً مرد کی رائے نہ بدلنے کی [illegible] روک تو ہے مگر لونڈیوں کے حق میں یہہ ناقص قید بھی نہیں ہے اور مرد کو [illegible] کا اختیار نہیں ہے بلکہ حبس کرنے اور مارنے کا حکم بھی صاف صاف [illegible] دیکھو سورہ النساء کی ۳۴ آیت۔

جواب۔ شریعت اسلام کی اصلاحوں کی خوبی اور خصوصاً منزلی تدبیروں کا حسن [illegible] جب جاہلیت کی رسوم اور آداب نکاح اور ملکوں کے بلکہ [illegible] کی رسوم ازدواج کو بلا سبق ظن اور تعصب قرآن کے احکام سے [illegible]

[illegible] نے جو عورتوں کے حق میں قرآن سے منسوب کی ہیں بے بنیاد

[illegible] رازی کرتا ہوں۔

شہنشاہ ہنری ہشتم نے ان احکام کی تعمیل میں سیاست بھی ہم ردیف کردی۔ آخرالامر سینکڑوں برس کے بعد اُن خرابیوں کی اصلاح شروع ہوئی۔ اور لوتھر گو سب سے اول تو نہیں مگر وہ بھی منجملہ منکرین مسئلہ تجرد تھے اور سنہ ۱۶۲۵ء میں کیتھرین وین بورا سے جو دائمی تجرد کی نذر کر چکی تھیں مگر پھر اُس سے پھر گئے تھے نکاح کیا۔ قرآن میں اس رہبانیت کی اصلاح ان لوتھر وغیرہ لوگوں سے صدہا سال پیشتر ہو چکی تھی اور جو ٹھیک ٹھیک اُسکی منشا اور کیفیت تھی اسپر اشارہ ہوا ہے

"ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعايتها" (حدید ع ۴)۔

یعنے عیسائیوں نے دنیا چھوڑنا بنا نکالا ہمنے اُنپر واجب نہیں کیا تھا۔ پھر اُنہوں نے خدا کی رضامندی کے لیئے نکالا مگر جیسے نباہنا چاہیئے تھا نہ نباہا۔

اور لا رهبانية في الاسلام بارہ سو برس سے مشہور ہے۔

(۲۳)۔ اس مقام پر چند اعتراضات متعلق مسائل نکاح و طلاق نقل کر کے اُنکا جواب لکھنا بہت ضرور ہے۔ گو میں دیکھتا ہوں کہ مضمون طول ہوا جاتا ہی مگر ان اعتراضوں سے یہہ فائدہ ہے کہ عوام مُلّاؤں کی آنکھیں کھلیں۔ اور جواب سے یہہ فایدہ ہے کہ اسلام یا قرآن پر سے بیجا تہمتیں دفع ہوں اور اُسکے احکام کی خوبیاں ظاہر ہوں اور نیز جو کچھ خالص احکام قرآن اور رسوم باطلہ میں فرق ہے وہ بھی عیاں ہو جاوے۔

(۱) **اعتراض**۔ لونڈیوں کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اُن سے ہر کوئی مسلمان بلالحاظ اپنی چار عورتوں کے اور بغیر کسی رسم ماقبل یا ضمانت مابعد تصرف کرسکتا ہے۔ اور لونڈیاں بنانے کی رسم اس نامحدود اجازت کے لیئے ایک ضروری شرط ہے۔ اور کوئی مسلمان اپنے دل سے یا خوشی سے اسکے بند ہونے پر راضی نہ ہوگا۔

جواب۔ ہمنے اپنی نویں دفعہ میں بیان کیا ہی کہ قرآن مجید کے لفظ نسا [illegible] آزاد اور غیر آزاد دونوں داخل ہیں۔ پس ہم کے عدد سے محدود ہیں اور یہہ ہم پانچویں دفعہ میں بیان ہوچکا ہے کہ لونڈیوں سے نکاح اُس صورت میں تھا جبکہ [illegible] کا وجود دوسری کی نفی پر موقوف ہے تو دونوں کے [illegible] بعض فقہا کے قول کیطرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اذا کان تحته حرة لم يجز له نكاح الامة (ابو حنیفہ امام تفسیر کبیر)۔ پس یہہ اعتراض قرآن پر بیجا ہے۔ اور بغیر کسی رسم کے اُنکا تصرف

کافی نہو تو بناچاری اور مصلحتاً تادیب بھی مناسب ہے اور یہہ سب صورتیں طلاق کی تدبیر سے بہت ہی نرم اور کم ہیں نہ کہ خوردہ گیری کے لائق۔

پس ایسا مارنا جسکی تفسیر ضرب غیر مبرح سے کی گئی ہے اور گویا طلاق کا بدل ہے۔ عورتوں کی حالت کو نقصان اور ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اور اور جگہ قرآن میں عورتوں کو ضرر پہنچانے کی صاف ممانعت ہے۔ چنانچہ

ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا (بقرہ ۲۹ع)۔ ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن (طلاق)

(۳) **اعتراض**۔ استبدال زوج یعنے ایک عورت کو طلاق دینا اس غرض سے کہ دوسری سے نکاح کریں قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے صرف اس شرط سے کہ مہر پورا ادا کیا جاوے پس جبکہ مابہا السرور اس طرح مجبور اور مقہور اور مقید ایسا ہو رہا اور فی الفور وقت غصہ میں یا اضطرار اس کا لینا جاوے تو یہہ کیونکر کہا جاوے کہ شریعت اسلامی نے عورتوں کے حق میں بہبودی کی ہے اس کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورت کو زیادہ آزادی بڑی صحت و تندرستی زیادہ عفت سے اختیار حاصل تھا

جواب۔ ان اردتم استبدال زوج کو ایک حکم ابتدائی اور جواز استبدال کی پروانگی سمجھنا خلاف مراد کلام الہی ہے کیونکہ آیت کا مقصود یہہ ہے کہ طلاق کی حالت میں زر مہر میں سے کچھ بھی لے لینا کسی طرح درست نہیں اور اس طرح کے واپس لینے کو امر ناحق اور صریح گناہ قرار دیا اور نیز اسے خلاف عہد بھی ٹھہرایا پس اس آیت میں گو ضمناً جواز طلاق کو تسلیم کیا گیا مگر مقصود و مدعا آیت طلاق نہیں ہے کیونکہ جب مہر کامل ادا کیا اور انہیں سے کچھ بھی لینا ایک ممنوع حکم قرار دیا اور مہر بھی کوئی مقرر نہیں کی یا قنطار کے لفظ سے اسکی تعداد کا بیشمار ہونا ظاہر کیا تو ایسی صورت میں طلاق کے مقدمے بہت ہی کم نکلینگے گویا کہ طلاق کو ایسی بھاری مشکل شرط پر موقوف رکھا تو اسکا مقصود منع طلاق ٹھہرا نہ کہ جواز۔ اور ایک نکتہ یہہ ہے کہ ان اردتم فرمایا ہے جس سے وقوع طلاق کی تسلیم و تجویز نہیں نکلتی۔ خلاصہ یہہ کہ اس آیت سے جواز طلاق (اور وہ بھی ناپسندیدہ اور قبیح طریق سے) پر استدلال پیش کرنا ایک ناقص شہادت ہے۔ اور اس آیت کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے طلاق کو ترجیح دی ایک بڑی بے باکی ہے کیونکہ اسکا مقصد یہہ نہیں کہ تم طلاق دیا کرو بلکہ محل کلام یہہ ہے کہ زر مہر میں سے کچھ نہ لیا کرو۔ گو ایسا موقع اسی وقت پیش آویگا جبکہ طلاق ہوگی۔ تا اس حکم کی

ہیں- ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن نے ازدواج کی پیدایش مردوں کی تسکین اور محبت
اور رافت کے واسطے کی ہے † اور پھر اُنکو باہم ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی
ہے ‡ اور اسمیں اُنکے عزیز اور گرامی اور بالکل محتاج الیہا ہونے پر اشارہ کیا ہے اور اُنسے
نیک طریق پر معاشرت کرنے اور صلح قائم رکھنے کی مکرر وصیت فرمائی ‡ ہے اور اُن کے
حقوق کو آزادی اور اختیار اور جملہ تصرفات میں مردوں کے مساوی قرار دیا ہے ⁑ اور
جہانتک نیچر اور عرف نے اجازت دی ہے جیسے عورتوں پر حق ہے ویسا ہی اُنکا بھی حق ہے ۹
اور تعجب ہے کہ معترض نے طلاق کو ایسا سمجھا کہ بغیر ایک گھنٹہ کی نوٹس کے بھی مطلقاً اور
فوراً موثر ہوجاتی ہے یا کوتہ اندیشی اور غصہ کی حالت میں فوراً نافذ ہوجاتی ہے حالانکہ جو وجوہ
اور اسباب نکاح کے قرآن میں لکھے ہیں وہ خود ہی مانع طلاق ہیں اور پھر صورت ناگزیر اور
اور واقعی علاج جو باعث فساد منزل اور موجب انفکاک نظم ہو اسمیں سے ایک یا دو مرتبہ
کی طلاق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ ایک بڑی مدت فکر اور تامل کے واسطے مقرر فرمائی اور اسمیں
صلح کی ترغیب دی اور پھر عدت اور رجعت اور تیسری مرتبہ میں اس بات کی تخویف
فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره سب تدبیریں طلاق کے حفظ اور ضبط
کے واسطے ہیں- اور مرد کی رائے بدل جانے کا تدارک طلاق نہیں قرار دیا بلکہ جھگڑے اور
ناخوشی کے رفع دفع کرنے کی تدبیریں اَور ہیں جو ۸ دفعہ کی ۳ ضمن میں بیان ہوئی ہیں-

اور یہہ بھی عجب ہے کہ معترض نے اس بات سے انکار کیا کہ گویا طلب طلاق کا عورت
کو اختیار نہیں دیا گیا حالانکہ فلا جناح علیهما فیما افتدت به میں صاف مسئلہ خلع
کا بیان ہے-

اور جو عورت کے معلق رہنے یا عموماً معروض علیہا ہونے میں لکھتے ہیں وہ بھی خلاف
تصریحات قرآنی ہے کیونکہ ہر جگہ حسن معاشرت پر تاکید ہے فعاشروهن بالمعروف
(۴ ع ۳) اور بالتخصیص اسی مقدمہ میں یہہ بھی فرمایا فلا تمیلوا کل المیل فتذروها
کالمعلقة اور یہہ بھی عجیب ہے کہ لونڈیوں کے حق میں ادائے مہر کی شرط نہیں- حالانکہ
واٰتوهن اجورهن بالمعروف (۵ ع ۲) ہر کوئی قرآن میں پڑھ سکتا ہے-

اور نشوز کی حالت میں کمال حکمت اور مصلحت ہے- پہلے نصیحت کر دینا اور اگر اس
سے اصلاح نہ ہوسکے تو ہجرت فی المضاجع- اور جب یہہ تدبیر بھی فساد منزل کی اصلاح کو

† سورہ روم ۳ ع ‡ سورہ بقرہ ۱۸۳ آیت ‡ نساء ۵ ع ⁑ بقرہ ۲۸ ع ۹ نساء ۲۳ ع

آتا ہے۔ اگرچہ [illegible] پاس تنفر کافی ہے کہ اس وقت میں کنیز کون سے زوج کی تجویز ایک شاذ و نادر صورت تھی [illegible] خیالی نہ تھی۔ لیکن جس شخص [illegible] کو نکاح آزاد کا معتاد و [illegible] اور [illegible] تاکہ اندیشہ ہو گیا ہے پھر بھی لونڈیوں کے نکاح سے اجتناب ہی کا بہتر قرار دیا چنانچہ فرمایا کہ [illegible] تصبروا خیر لکم (دیکھو اس مضمون کی ۹ دفعہ)۔

(۵) استحلال [illegible] — طلاق کے قاعدوں میں ایک قاعدے کی نسبت [illegible] نہیں جاتا کہ ایک دفعہ [illegible] تو پھر ہو سکتا ہے مگر تیسری مرتبہ کے بعد پھر نہیں سکتا اور یہ فعل کیسا ہی ناحق اور مضر ہو اور کیسے ہی غصہ کا نتیجہ ہو اور اس سے کیسا ہی کچھ نہ اس بیچاری عورت کو نہیں بلکہ اسکے معصوم بچوں کو اثر پہنچتا ہو اور وہ شوہر بھی کیسا ہی کچھ اس ظلم کی اصلاح چاہتا ہو مگر اب وہ منسوخ ہی نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ وہ طلاق دی ہوئی عورت ایک سخت شرط پر پھر آسکتی ہے کہ پہلے اسکا کسی اور سے نکاح ہو اور یہ بھی اسے طلاق دیدے (البقر ۲۳۰)۔

مسلمانوں کی حیا و غیرت کا اسی سے قیاس کر لیا جاوے کہ مطلقہ بائن کے پھر جائز ہونے کے لئے ایک مستحل یعنی عارضی شوہر گویا اجرت پر رکھ لیا جاتا ہے۔ اسکی ایک مثل مشہور ہوگئی ہے الف عشق ولا مستحل۔

جواب — طلاق بائن کی جو اخلاقی اور منزلی اور تمدنی قباحتیں بیان ہوئی ہیں وہ احکام قرآنی پر عائد نہیں ہوتیں۔ قرآن نے پہلے ہی اس کوتاہ اندیش تنگ مزاج تلون طبع خفیف الحرکت [illegible] غضب اور جوش و خروش اور [illegible] ان کا علاج کر دیا ہے اور کئی تدبیریں اسکے روک تھام کی مثلاً عدت کا مقرر ہونا اور ظاہر ہے کہ اتنے عرصہ دراز میں وہ شخص اچھی طرح اپنے ارادے سے پشیمان ہو کر باز آسکتا ہے اور نیز یہ کہ وقت عدت تک دونو [illegible] جو فائدہ اسی غرض سے تھی کہ دونوں باہم صلح کر لیں [illegible] پھر اس عدت کے بعد بھی ضرور نہیں کہ طلاق ہی دیجاوے بلکہ اختیار ہے کہ یا رخصت کریں یا رجوع کو گویا [illegible] مزاج کی دفعتہ طیش اور غضب سے [illegible] تک اسکی بد خوئی مستمر رہتی ہیں ان تینوں طلاقوں میں (الطلاق مرتان) ای علی التفریق دون الجمع۔ فان طلقها (ای ثالثة) (فلا تحل له) جو جدا جدا ایک عرصہ ممتد کے بعد

منشا رہ دیکھنی چاہیئے کہ طلاق کے جواز کو صرف ضمناً تسلیم کر لیا ہے نہ یہ کہ اس سے اسکو بالاستقلال جائز کیا ہو۔ اور اسی لیئے آردتہم کا لفظ ہی کہا اور محاورات میں لیسا اوقات ایسا بولا جاتے ہیں کہ نتیجہ یہ گفتگو کرنی منظور ہوتی ہے تو سبب کا ذکر فرض و تسلیم کی صورت میں ہو جاتا مگر اس سبب کے جائز یا ناجائز ہونے کا ذکر مقصود نہیں ہوتا۔

اور درحقیقت اس آیت میں اس تلون مزاج ناعاقبت اندیشی کی تجویز کی حرکت پر جو گھڑی میں پھر بناوے اور گھڑی میں بگاڑے تنبیہ کر دی ہے تاکہ [illegible] اور بغیر ضرورت محض لذت حاصل کرنے کے لیئے استبدال زوج چاہتا ہو وہ اس صورت میں یہ حکم اس ارادہ کا قوی مانع ہوگا۔ پس ان سب تقریروں کے خلاصہ میں ہم کہتے ہیں کہ زمانِ جاہلیت کے آداب میں بلکہ یہود اور رومن کی رسوم میں بھی عورت کی ذات بہت بدتر کمتر و ذلیل تر حالت میں اکثر بے اختیار اور قیدی کی طرح بسر کرتی تھی اور حسنِ معاشرت کے بہت سے فائدے اور زوجیت کے بہت سے حقوق سے محروم رہتی تھی اور انکا استعمال [illegible] انکے حق میں سخت اور شدید تھیں مگر اسلام کے شارع نے احکامِ قرآن میں عورتوں کی حالت کو ایام زوجیت اور بیوگی میں اگلے زمانہ کی حالتوں سے کہیں ٹھیک بہتر اور برتر کر دیا اور عدالت کے حکم اور عاشروهن بالمعروف کی وصیت اقامروا بینکم بالمعروف [illegible] سے اس کو زیادہ خوشحال اور فارغ البال کر دیا ہے اس اصلاح [illegible] میں اشارہ کیا ہے اس قدر کی تسکین اور باہمی اطمینان [illegible] کامل طور سے پورا کیا۔

(۴) **اعتراض** اور لونڈیوں کے [illegible] مسلمانوں کی [illegible] ہے کہ انکی حالت [illegible] زیادہ جنس انسان [illegible] تو کمترین مخلوقات کی حیثیت سے سلوک کیا گیا [illegible]

کیا [illegible] محروم [illegible]

[illegible] ہے کہ جب [illegible]

کی وفات [illegible] آزاد [illegible] قرآن شریف [illegible]

کیا [illegible] گیا [illegible]

جواب [illegible] لونڈی اور غلام کی کامل آزادی اسلام میں ہو [illegible]

نہیں کیونکہ یہہ احکام بڑی تنگی اور قید نفس اور حرمان شدید کے ہیں۔ اوائل سورہ نساء کی آیت (جس میں عورتوں کی حد مقرر ہے) نازل ہونے سے پیشتر † جناب پیغمبر صلعم کی نسبت یہہ حکم ہوا تھا کہ ازواج موجودہ (جن کا عدد بعد کی مقرر کی ہوئی نصاب سے زیادہ تھا) حلال ہیں (تنزیل میں بھی انکی حلت کو ظاہر فرمایا گیا) ‡ اس طرح پر یا ایہا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اٰتیت اجورھن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک ‡ وبنات عمک وبنات عماتک ‡ وبنات خالک وبنات خالاتک التی ھاجرن معک ؁ وامراۃ مومنۃ ان ‡ وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃ لک من دون المومنین ۴ قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وما ملکت ایمانھم لکیلا یکون علیک حرج ط (احزاب ۹ آیت ۳) یعنے ہمنے حلال کیں تجھکو تیری عورتیں (یا ہم جائز کر چکے ہیں تجھکو تیری عورتیں) جنکے مہر تو دے چکا اور جنکا تو مالک

---

† یہہ بات کہ سورہ احزاب پہلے نازل ہوئی نساء سے اسکے ثبوت میں یہہ دلیلیں ہیں (۱) قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول تصنیف برہان الجعبری کا ایک شعر یہہ ہے ۵ لاحزاب مائدۃ امتحان والنساء + مع زلزلت ثم الحدید فاجملا۔ (۲) ابن ضریس نے فضائل القرآن میں ابن عباس سے روایت کی ہے اسمیں مدنی سورتیں اس طرح پر ترتیب دی ہیں۔ ثم البقرۃ ثم الانفال ثم آل عمران ثم الاحزاب ثم الممتحنۃ ثم النساء الخ (۳) بیہقی نے عکرمہ سے روایت کی ہے دلائل النبوۃ میں اسمیں مدنی سورتوں کی ترتیب اس طرح پر ہے ویل للمطففین والبقرۃ وآل عمران والانفال والاحزاب والمائدۃ والممتحنۃ والنساء الخ

‡ اس اظہار تحلیل سے یہہ نہیں لازم آتا کہ اب تک جو کچھہ ہوا وہ غیر حلال تھا کیونکہ اب تک جو ہوا تھا اسکی حلت سنت یعنے فضل رسول اور انبیاء سابقین کے دستور اور قوم کی رسم اور قانون قدرت کی مطابقت سے ہوا تھا اور اب اسی تحلیل کا اظہار ہوا یا یہ معنے کہ ہم حلال کر چکے ہیں انکو مگر آیندہ۔ الخ۔ اور ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں جنمیں نزول حکم متاخر ہوا اور عمل متقدم مثلاً آیت وضو جو بالاتفاق بعد ہجرت نازل ہوئی مگر اسکا حکم مکی ہے ایسی ہی آیت جمعہ مدنی ہے مگر جمعہ کی فرضیت مکی تھی ایسے ہی فرضیت زکوۃ کا حکم بہت متاخر ہے اور اسکا عمل اوائل ہجرت سے ہے دیکھو اتقان میں ایک خاص باب اسی بیان میں ہے۔ ما تاخر نزولہ عن حکمہ (نوع ۱۲)۔ اور یہاں تو سب صیغے ماضی کے ہیں اور وہ بھی امر کی صورت میں نہیں بلکہ خبر کے طور پر ہیں پس یہہ آیت سابق ہی کی حلت ظاہر کرتی ہے [illegible]

‡ تفسیر جلالین میں مما افاء اللہ کی تفسیر میں صفیہ اور جویریہ کا نام لکھا ہے اور یہہ دونو مشہور ہے کہ [illegible] میں نکاح میں آئیں ‡ بنات عم سے نساء قریش مراد ہیں ‡ بنات خال سے نساء بنی زہرہ [illegible]

‡ "ان وھبت" کوئی ایسی عورت مدینہ میں آنحضرت صلعم کے پاس نہ تھی عن عبد اللہ ابن عباس [illegible] لم یکن عند النبی امراۃ وھبت نفسھا منہ (معالم التنزیل) اور نہ اسمیں کوئی حکم مستقبل کا ہے۔ کچھہ شبہہ نہیں کہ ان شرطیہ ہو محتمل ہے کہ قد کے معنے میں ہو اور تعلیل کے واسطے ہو پس حضرت خدیجہ مراد ہونگی اور تذکرہ ممکن ہے کہ تعظیم کے لئے ہو۔ ۴ یعنے سورۂ فرقان اور مومنون اور بقر میں جو کچھہ ازواج کی نسبت احکام اور

ہوں شریعت نے کوئی عذر اور حیلہ ناگہانی قصد اور غلطی ناخوشی کا اُٹھا نہیں رکھا کہ جس سے جلد بازی اور تیز مزاجی پر ندامت اور افسوس ہو بلکہ اک اختیاری فعل ہے کہ اسکا الزام اپنی ہی عقل و تمیز پر ہو سکتا ہے۔

اور حلالہ کا حکم بھی اس رسم طلاق کے گھٹانے اور کم کرنے کی نظر سے ہوا ہے اور بیشک اسکی رسوائی کسی صاحب غیرت کو ایسے ارادہ پر جرارت نہ کرنے دیگی یعنے کوئی باحمیت طلاق بائن دیگا نہ حلالہ کی رسوائی اُٹھائیگا۔ اور محلل لہ اور محلل کی شناعت پہلے ہی بیان ہو چکی ہے۔ یہی ہم حجۃ البالغہ میں دیکھتے ہیں۔ لعن رسول اللہ صلعم المحلل والمحلل لہ۔

اور یہہ تو ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ گویا شریعت نے اُس بے جُرم صاحب عفت کی پردہ دری اس رسم سے گوارا کی ہو کیونکہ مستحل صرف اُس عورت کو اس غرض سے کہ وہ اگلے شوہر کو اس حیلہ سے حلال ہو جاوے پہلے ہی سے ارادہ کرکے تھوڑی دیر کے لئے نکاح کرے تو وہ ہرگز درست نہ ہوگا کیونکہ نکاح میں تو مداومت اور تحصین اور عدم سفاح اور تعاون فی العشرت اور باہم کی تسکین اور اتحاد مراد اور مقصود ہے تو ایسی صورت میں محلل کا نکاح دائمی ہوگا جبتک کہ کوئی ایسی ہی ناگزیر ضرورت طلاق کی جنکا بیان آگے ہو چکا ہے پیش نہ آوے۔ پس اِس عورت کا بائن ہونے کے بعد حلال نہ ہونا اس مرد کے لئے سزا ہے کہ اُس نے عہد الٰہی اور قانون قدرت کی رعایت نہ کی۔ موسوی شریعت میں بھی مطلّقہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی تھی مؤبدًا (سمار ۲۴) مگر قرآن کی نظر میں اتفاق کو ترجیح ہے افتراق پر۔

(۲۴) حیف ہے اگر اس مقام پر جناب پیغمبر صلعم کی خاص ازواج طیبات کے احکام نہ بیان کئے جاویں۔ گو اس تحریر کی وضع سے یہہ بحث خارج ہو۔

ہر ایک انسان کی عقل ضرور اس امر کی طلبگار ہوگی کہ مصلح قوم اور ہادی انام نے (جسنے ایسی حکمت اور مصلحت کے احکام جاری کئے اور زمانہ جاہلیت کی رسوم قبیحہ اور عادات ضارہ کو روکا اور کم کیا) خود اپنا نمونہ کیسا دکھلایا۔ اور بالضرور ہر ایک شخص کا وجدان اس پر گواہی دیگا کہ بانی ملّت اور مہذّب مذہب خود بھی ایک نمونہ ہونا چاہئے۔ تمام اخلاق اور حسنات اور خیرات کا تاکہ لوگ اُس سے نفرت نکریں اور یہی امر اصل ہے مسئلہ عصمت کی۔

جناب پیغمبر صاحب کے احکام ازدواج عجب حکمت کے احکام تھے۔ جن سے ہم اب بھی اس بات پر استدلال کر سکتے ہیں کہ کسی متنبی سے ایسے احکام صادر ہونے کی توقع اور احتمال

اما الاجماع فنقله غیر واحدة منهم الزرکشی فی البرهان وابو جعفر بن الزبیر فی مناسباته وعبارته ترتیب الآیات فی سورها واقع بتوقیفه صلی الله علیه وسلم وامره من غیر خلاف فی هذا بین المسلمین۔ انتهى۔ اور پھر قاضی ابو بکر (الباقلانی) کا قول نقل کیا ہے ان الاية ضبطت عن النبی صلعم ترتیب ای کل سورة ومواضعها وعرفت مواقعها کما ضبط عنه نفس القرآن وذات التلاوة الخ

علاوہ ازیں جس آیت کو اسکا ناسخ ہونا تفسیر بیضاوی کمالین اور معالم میں نقل کیا ہے یعنے ترجی من تشاء منهن وتؤدی علیك من تشاء۔ اس میں ایک حرف بھی اسپر دلالت نہیں کرتا کہ ازواج موجودہ کے سوا انکے غیر سے نکاح کیا جاوے۔ بعض نے اور بھی ترقی کرکے یہہ کہا ہے کہ اس ۵۲ آیت کی اور بھی پہلے کی یعنے ۲۹ آیت اسکی ناسخ ہے۔ لاحول ولا قوۃ نسخ کیا ہوا ایک دیا ہے کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔ بلا دلیل اور بغیر ضرورت اُلٹی پلٹی باتیں خلاف تحقیق جوجی میں آتا ہے صرف بات کی پیچ پر کہدیتے ہیں۔ البتہ رجابالغیب ایک قول حضرت عائشہ کا نقل کرتے ہیں کہ ما مات رسول الله حتی احل له النساء یہی الفاظ ہیں تفسیر کشاف وکبیر اور صحیح ترمذی کے اور اس سے کوئی حرف زیادہ نہیں ہے اور یہہ سچ ہے اسمیں اشارہ ہے اسپر کہ جناب پیغمبر صلعم کی کثرت ازواج کی حلت تنزیل میں ظاہر ہو چکی ہے پس نسخ کا مذکور تو کہیں خواب وخیال میں بھی نہیں ہے۔ اب اگر اسپر بھی نہ مانیں اور حضرت عائشہ کے قول کو پھیر پھار کر اپنے ہی مطلب پر لاویں تو اُسکے معاوضہ میں ہم انس کا قول پیش کرینگے جو کہتا ہے۔ کہ رسول خدا صلعم کے مرنے تک وہی حرمت کا حکم جو لا یحل لك النساء من بعد میں تھا قائم رہا چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے قال انس ومات علی التحریم۔

تائید الاسلام مطبوعہ ۱۸۸۳ء کے صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹ میں دو روایتیں ترمذی سے اس مطلب کے نقل ہوئی ہیں کہ سورہ احزاب کی ۵۲ آیت کے بعد ۴۹ آیت نازل ہوئی۔ یہاں زیادہ تفصیل کی گنجایش نہیں۔ مگر اسقدر تنبیہ کرنی ضرور ہے کہ یہہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں کیونکہ وہ حسن ہیں اور حسن صحیح سے کمتر ہے اُسکے راوی درجہ عدالت تک نہیں پہنچے گو فاسق بھی نہوں۔ اور دوسرے یہہ کہ وہ روایتیں صرف عبد الحمید بن بہرام کے واسطے سے ہیں اور اُسنے عبد اللہ بن موسے سے روایت کی ہے مگر عبد بن حمید کی روایت جو منقول ہے وہ وہ ہے جو شہر بن حوشب سے ہو چنانچہ ابو عیسے ترمذی نے ان آیتوں کے بعد کہا ہے سمعت احمد بن الحسن یذکر عن احمد بن حنبل قال لا باس بحدیث عبد الحمید بن بہرام بن حوشب انتهى۔ پس وہ روایتیں کبھی اس لائق نہ ہونگی کہ وہ نظم وترتیب قرآن کو مختل کردیں یا کسی واہیات اور منکر مضمون کی اُن سے تائید ہو سکے +

ہوچکا فی کے ذریعہ سے (اب جو مہر دے چکنے کی وجہ سے حلال ہیں اُنکی تفصیل ہے) تیری چچازاد اور پھوپھی کے قبیلہ کی عورتیں اور ماموں زاد اور خالہ کے قبیلہ کی عورتیں جنہوں نے ہجرت کی تیرے ساتھ۔ اور وہ عورت جسنے اپنے آپ کو عرض کیا نبی پر اور نبی نے بہی چاہا اُسکو نکاح میں (مراد خدیجہ رضی اللہ عنہا شاید) (یہہ احکام جنمیں اسوقت موجودہ عورتوں کے جائز رکہنے کا حکم ہے اس طرحپر کہ عین اُن عورتوں کا اور ذات شخصیہ اُن عورتوں کی حلال ہوچکی اس حثییت سے کہ اُنمیں تغیر اور تبدل نہو سکے) خاص تیرے ہی لئے (تاکہ تو ضبط اور قید میں نمونہ ہو اوروں کو اور تاکہ اس سے ظاہر ہو تیری عدم متابعت نفس اور مجبوری احکام الٰہی کی گو وہ خلاف ہوں خواہش بشری کے) سوای سب مسلمانوں کے (کیونکہ ہمکو معلوم ہے جو اُنپر حکم ہوا ہے اُنکی نسبت جو اُنکی عورتیں ہیں اور اُنکے ہاتہہ کے مال ہوں (مسلمان لونڈیاں) (وہ یہہ کہ اُنکے لئے ذات معین نہیں اور انہیں تغیر و تبدل اور کمی بیشی معروف طور پر ہوسکتی ہے مگر تیرے لئے خاص اُن عورتوں کی تخصیص ہے جنمیں کمی بیشی اور تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا) تاکہ تجہپر گناہ نہو (ان خوردہ گیروں کی نظر میں جو محض کثرت پر نظر کرکے طعن کریں کہ نبی نے متابعت نفس کے لئے ایسا کیا حالانکہ اصل حقیقت اُنکی فہم کے خلاف ہے چنانچہ پہر فرمایا) مگر۔

لا یحل لک النساء من بعد† و لا ان تبدل بھن من ازواج و لو اعجبک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶ } وصیت ہوئی اور یہہ سورتیں مقدم ہیں احزاب پر۔ دیکہو قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول اور ابن فریس کے رسالہ فضائل القرآن ابن عباس کی روایت ٭

† من بعد التسع وھو فی حقہ کالاربع فی حقنا او من بعد الیوم حتی لو ماتت واحدۃ لم تحل لہ نکاح اخری (بیضاوی)

بعضے لوگوں کو اس آیت میں بڑی غلط فہمی واقع ہوئی ہے یعنے اس آیت کو منسوخ بتلاتے ہیں مگر قطع نظر اس سے کہ نسخ قرآن میں ہوا ہے یا نہیں ایک اور لطف یہہ ہے کہ اسکا ناسخ اس سے پہلے ہے۔ اِن هذا لشیء عجاب۔ حالانکہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور اسپر اجماع بہی ہے۔ اور یہہ بتواتر ثابت ہے کہ جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح سے قرآن پڑہتے تہے جس طرح اب آیتیں مرتب ہیں پس ممکن نہیں کہ اُن آیتوں کی ترتیب میں ایسی صریح تاریخی غلطی ہوگئی ہو۔ علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں:۔

الاجماع والنصوص المترادفۃ علی ان ترتیب الآیات توقیفی لا شبھۃ فی ذالک

کا استحقاق ہے اور نہ کوئی مفید مطلب پروانگی ہے اور جو کچھہ تخصیص من دون المومنین ہی
وہ ممانعت اور قید کی صورت ہی نہ کہ آزادی اور بے قیدی کی کیونکہ عوام مسلمین کے لئے صرف عدد
کا تعین تہا نہ کہ منکوحات کا اور ممکن ہے کہ موت یا طلاق کی صورت میں ہمیشہ اول بدل ہوتا ہی
مگر جناب پیغمبر صلعم کی نسبت تخصیص تہی منکوحات کی کہ نہ تو ان عورتوں سے زیادہ کوئی اور نکاح
کر سکتے تہے اور نہ انکے بدلے میں نکاح کر سکتے تہے۔ پس ظاہر ہے کہ جناب پیغمبر کو نکاح کے باب
میں اور مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ وقت اور قید اور ممانعت تہی اور ایسا ہی شان نبی کے لائق
بہی تہا۔ پس یہہ صریح امتناعی احکام اور قہر نفس اور تحصین شدید کے جو مقتضائے بشریت پر
صبر اور میلان قلبی پر بہی جبر کرنے کے ہیں اُن سے صاف ثابت ہی کہ جناب پیغمبر صلعم نے جیسے
اور احکام تنزیل وحی کے مسلمانوں کی عفت اور پرہیزگاری کے بیان فرمائے اُن سے زیادہ
اپنی مخالفت نفس کے احکام ظاہر فرمائے۔

اس تقریر سے ڈیون پرٹ اور فانڈر صاحبوں کے اعتراضات تو باطل ہو ہی گئے مگر بعض نافہم
مسلمان جو اسلام کے نادان دوست ہیں اُنکی رکیک توجیہات اور خام خیالات بہی باطل ہوگئی
وللہ الحمد علی ذلک۔

(۳۵)۔ اور منجملہ برکات اسلام ایک یہہ ہے کہ اپنی جان کی اور ہلکت سے صیانت کا
حکم ہے +

(۱) ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ † (بقر ۱۹۱)

(۲) ولا تقتلوا انفسکم (۵ح ۴ع)

خودکشی جس پر اس پچہلی آیت میں اشارہ ہے جاہلیت کے زمانہ میں عرب و روم وغیرہ آباد
ملکوں میں جہاں سیاست اور قانون بنے تہے بے روک ٹوک جاری تہی اور بعضی صورتیں
آپ سے آپ مرجانے کی عبادت میں داخل تہیں۔

ایک ڈو۔ ایل کی رسم ممالک فرنگ میں عجیب رسم تہی کہ دو آدمی باہم مقابلہ کرتے تہے۔ اور
گواہ بہی حاضر رہتے جو انکے ہاتہہ میں آلات حرب دیتے اور اور انتظام کرتے تہے اور اسکی بنا
یہہ اعتقاد ہوا کہ ضرور ہے کہ خدا ظالم کو بلا واسطہ سزا دے اور مظلوم کی نصرت کرے چنانچہ

† افضل العلما آراڈویل صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکہا ہی کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہی کہ محمد صلعم نے بالکل رائے کی
آزادی کی تعلیم دی۔ انتہی۔ درحقیقت رائے کی آزادی بہت بڑی نعمت ہے اور اسکا ثمرہ قوم ملک کی اصلاح پر
بہت مفید ہے +

حسنهن الا ما ملکت یمینک † (احزاب ۵۲)۔
یعنے اسوقت سے سب عورتیں تجھ پر حرام ہیں اور اسی لئے اُن عورتوں کے (جنکا ذکر ہوا) بدلے اور عورتیں کرنی بھی (ایسی حالت میں کہ اُن میں سے کوئی مرجاوے یا طلاق پالے) حرام ہوئیں گو اَوروں کی صورت پسند بھی ہو (تب بھی تجھکو یہہ سخت قید اور بند اور شتہیات نفس کے خلاف بلکہ میلان قلب کے بھی خلاف حکم دیا گیا جسمیں نبی کا ضبط اور سائر مسلمین سے عفت اور مخالفت نفس میں استقلال اور برتری ظاہر ہو اور یہہ بھی معلوم ہو جاوے کہ کوئی جہوٹا آدمی ایسے احکام اپنی غرض کے خلاف صادر نہیں کر سکتا) مگر یہہ حرمت اُن عورتوں سے متعلق نہیں ہے جو تیری ملک نکاح میں آچکی ہیں (کیونکہ پہلے سے فعل نبی اور عطائے مہر سے نکاح میں بطور معروف آچکی اور پچھلی آیت میں اُنکی تحلیل بھی ظاہر ہو چکی ہے۔
پس اب اس بیان سے ظاہر و ثابت ہوتا ہے کہ اِس پہلی آیت میں (احزاب ۵۹۔ آیۃ) نہ تو کسی نئی بات کی ایجاد ہے اور نہ کسی امر غیر موجودہ کے پیدا ہونے کا حکم اور نہ آئندہ کسی نئی بات

† ایک مخالف نے یہہ اعتراض کیا کہ گو اس آیت میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ازواج کی اجازت نہ ہوئی مگر ملک یمین میں تو آزادی حاصل ہے۔ اس مقام پر جو لفظ اُڈلیبی ظلم اصل اعتراض میں ہے وہ تو ایک تیر جگر دوز ہے مگر عام مسلمین کو اسکی کیا پروا ہے۔ الاحقیقت کوئی یہ پوچھے کہ حضرت ملک یمین لغت کی راہ سے لونڈی کو کہتے ہیں یا یہہ لفظ منقول شرعی یعنے فقہا کی اصطلاح ہے۔ پہلی صورت کی سند لائیے اور دوسری صورت میں قرآن کے الفاظ کو فقہا کی اصطلاح پر محدود و محمول نہ فرمائیے۔ ابی العالیہ اور سعید بن جبیر اور عطا اور سدی متقدمین مفسرین نے تصریح کی ہے کہ ملک یمین نکاح سے ہی پائی جاتی ہے (دیکھئے تفسیر مجمع البیان اور نیز تفسیر کبیر) پس چونکہ مضمون عدم حلت لنسوان زمان موجودہ و منکر سے پر ہی حاوی تھا کہ اس وقت کے بعد سے تم پر عورتیں حلال نہیں الا ما ملکت یمینک کہنا ضرور ہوا کہ جو عورتیں ملک نکاح میں آچکی تھیں وہ مستثنی رہیں۔ اور ملکت جو ماضی کا صیغہ ہے وہ تو حقیقت میں ماضی پر دلالت کرتا ہے اسکو مستقبل پر حمل کرنا مجازی طور پر ہے اور حقیقت سے مجاز کی طرف جانے کے لئے کوئی قرینہ صارفہ عن الظاہر ضرور ہونا چاہئے۔ ایک صاحب فارسی کا یہ شعر تو پڑھتے ہیں۔ چار جا ماضی بیاید معنیش مستقبل۔ الخ مگر کوئی صاحب حقیقت سے عدول کرنے کی ضرورت شدید اور مانع قوی اور قرینہ واضح بیان نہیں کر سکتے اور ظاہر ہے کہ صرف بیاید کچھہ کام نہیں آسکتا۔ فتدبر ولا تکن من الجاهلین وتامل حتی یاتیک الیقین ✦

(۶) وابن السبیل۔ (۲ ح)۔

د) (۲) وبالوالدین احسانا واما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما۔ واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ (۱۵ ح)

اور ماں باپ سے نیکی کرو اور جو کوئی ان دونوں میں سے بڑا ہو جاوے تو نہ گھُرک اور نہ جھڑک انکو اور ان سے ادب کی بات کہو اور جھکا انکے آگے کندھے عاجزی کر کے پیار سے اور کہہ اے رب انپر رحم کر جیسا کہ پالا انہوں نے مجھے چھوٹا سا۔

ہ) وآت (۳) ذی القربی حقہ (۵) والمساکین (۹) وابن السبیل۔

یعنے اور دیدے پالنے والوں کا حق اور محتاج کا اور مسافر کا۔ ایضاً

و) ولا یاتل اولی الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا (۴) اولی القربی (۵) والمساکین (۹) والمھاجرین فی سبیل اللہ۔ (نور)

اور قسم نہ کہاویں بڑائی والے تم میں سے اور کشایش والے کہ ناتے والے محتاجوں اور خدا کی راہ میں وطن چہوڑنے والوں کو مال نہ دیویں۔

ز) ووصینا الانسان (۲) بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا (احقاف ع ۲)

اور ہمنے تقید کیا ہے انسان کو اپنے ماں باپ سے بہلائی کا پیٹ میں رکھا اسکو اسکی ماں نے تکلیف سے اور جنا اسکو تکلیف سے۔

ح) فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ (۱۱) فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ (۴) یتیما ذا مقربۃ او (۵) مسکینا ذا متربۃ۔

اور انسان نہ ہمک سکا گہاٹی کو اور وہ گہاٹی کیا ہے۔ آزاد کرنا غلام کا یا کہانا کہلانا بہوک کے دن میں بے باپ لڑکے کو جو ناتے وار ہے یا محتاج کو جو خاک میں رلتا ہے (بلد)

ط) فاما الیتیم فلا تقھر و اما السائل فلا تنھر۔ (ضحی)

سو جو یتیم ہو اسکو نہ دبا اور جو مانگتا ہو اسکو نہ جھڑک۔

ان احکام کو جو جملہ طبقات ناس کی ہر ایک قسم پر حاوی ہیں توریت اور انجیل اور حکمائے سلف کی وصیتوں سے مقابلہ کر لو ایسی جامعیت اور تفصیل ایسی عمدہ ترتیب اور قدرتی نظام

یہاں تک یہہ رسم بڑھی کہ مقدمات حقیت میں اسی رسم کو محک عدالت اور معیار حقیت قرار دیا۔ اگر ایک افتادہ زمین پر تنازع ہے تو انہوں نے کہا۔ کہ آؤ لڑیں جو مر جائے غیر حق پر تہا۔ کیا خوب عدالت تہی اور کیا اچھا فیصلہ ہوتا تہا۔ اسلام میں شروع سے اُسکی اصلاح ہوئی۔ اور صرف گواہوں پر یا قسم پر معیار عدالت قرار پایا۔ اور نیز ذاتی تنازعات خارج از عدالت بہی اسی ڈوایل سے طے ہوا کرتے تہے۔ اسلام میں بہت اُڑکے ہو تو مباہلہ ہوا۔

کہتے ہیں کہ سنہ ۵۰۱ء میں جرمن گنڈیبالڈ بادشاہ نے اس رسم کو قسم کی جگہ فیصل خصومات میں مقرر کیا۔ ان دونوں قسم کے ڈوائل یعنے ایک تو عدالت کی حیثیت سے دوسری معاشر عدالت کئی طرح پر جاری رہی یعنے تلواروں سے لڑنا اور پستولوں سے گولی مارنا۔ اور دو اپنٹی ایک زہرآلودہ ایک روٹی کی بنی ہوئی کہلانا۔ انگلستان کے بادشاہوں نے آخر زمانہ میں اس رسم کے بند کرنے کا بڑا اہتمام کیا لیکن فرانس میں اُسکا رواج کثرت سے رہا۔

(۳۶)۔ اور کئی ایک احکام بڑی تاکید سے ہر ایک طبقہ کے انسان سے نیکی اور رعایت کرنے کے قرآن میں بکثرت ہیں +

(ا) وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (نساء ۵ ع)

پھر سورہ بقر میں ہے۔

(ب) واتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب۔ (۲ ح)

اسمیں (۱ و ۲) والدین سے نیکی کرنی (۳) رشتہ داروں سے (۴) یتیموں سے (۵) محتاجوں سے احسان کرنا (۶) پڑوسی ناتے والے سے (۷) اور بیگانے پڑوسی سے (۸) اپنے رفیق سے (۹) مسافر سے (۱۰) غلاموں سے خادموں سے (۱۱) قیدیوں سے نیک سلوک کرنا اور اُنکو اپنا مال دینا بڑی تاکید سے واجب قرار دیا ہے۔

اسمیں کوئی قسم جنس انسان کی ایسی باقی نہیں رہی جسپر اسلام نے شفقت کرنے اور نیکی سے پیش آنے کا حکم نہ دیا ہو۔ نہ صرف ایک دو جگہ بلکہ مختلف طور سے اور جُدا جُدا تقریب سے ان احسانات اور خیرات کو بیان فرمایا ہے +

(ج) ما انفقتم من خیر (۲) فللوالدین (۳) والاقربین (۴) والیتامی (۵) والمساکین

تفسیر کبیر میں ہے۔ ثالثها ان هذا الامر من الله تعالى للسادة والناس ان يعينوا المكاتب على ما لكتابته بما يمكنهم وهذا قول الكلبي وعكرمة والمقاتل والنخعي۔ قال الشافعي يجب على المولى ايتاء المكاتب وهو ان يحط عنه جزءا من مال الكتابة او يدفع اليه جزءا مما اخذ منه۔ وحجة الشافعي ظاهر قوله واتوهم من مال الله الذي اتاكم والامر للوجوب۔ الخ +

اور چونکہ امر وجوب کے واسطے ہے تو اب ہمارا استدلال اس آیت سے یہ ہے کہ جبکہ غلاموں کی آزادی کتابت کے ذریعہ سے واجب ٹھہرائی گئی تو جو چیز اس آزادی کی ضد ہے یعنی غلام بنانا وہ حرام اور منع ٹھہرائی گئی کیونکہ اصول میں مسلم مسئلہ ہے۔

"وجوب الشئ يتضمن حرمة ضده"۔

اور احسان اور امداد پر بنا رکھی جاوے تو یہی عقلاً ظاہر ہے کہ جس چیز کے گھٹانے کم کرنے روکنے اور موقوف کرنے کے واسطے تدبیریں کی جاویں گی تو اسی شے کا زیادہ کرنا یا ابتدا کرنا بڑا پاتا اور رواج دینا ضرور ممنوع ہوگا۔ پس جبکہ اسلام نے فک رقبہ اور عتاق اور مکاتبہ کے

آزادی اور غلاموں کی آزاد کرنے کے واسطے اور اسلام کا مقصد اصلی غلاموں کے حق میں رعایت اور احسان کرنا اور امر واضح ہے تمام دنیا کے مذاہب اور شرائع پر فوقیت اور فضیلت پایا۔ انکی سمجھ ہی میں نہیں آیا کتابت کے مسئلہ کو یہی انہوں نے قرضہ کا سا معاملہ سمجھ لیا حالانکہ غیر کے اصلی موضوع پر کتابت کا روپیہ کوئی دینا نہیں ہے کیونکہ آقا کے غلام پر کوئی قرضہ نہیں ہو سکتا۔

اصل میں یہ ہے کہ مکاتب کا روپیہ آقا کو دلوانے کا حکم صرف اسکے آنسو پونچھنا ہیں ورنہ اصل تو آقا کو حکم واسطے ... کو اپنے مال میں سے دو۔

اور لطف یہ ہے کہ امام شافعی اس "واتوهم من مال الله الذي اتاكم" کو واجب جانتے حالانکہ یہ فرع ہے کتابت کی پس مکاتبہ بھی واجب ہوگا کیونکہ واجب کا مقدمہ بھی تو واجب ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور اعتراض اس حکم کے مندوب ہونے پر یہ ہے کہ مندوب درحقیقت ... مسئلہ ... امر ایجاب نہیں ہے اور امر ایجاب ہی کے واسطے حقیقت میں ہوتا ہے اور اگر ... ترک مندوب گناہ ہوگا حالانکہ ترک مندوب بالاتفاق ... نہیں ...

... ۱۸۰ ۱۹۰

... امر ایجاب کے واسطے ہے۔

کی رعایت اور عموماً احسان کے احکام نہ پاؤگے +

(۳۷) غلاموں کی حالت بالتخصیص بڑی اصلاح کی محتاج تھی اُنکی آزادی اور آیندہ کے سدباب کے لیئے بڑی کوشش اور اہتمام ہوا۔ اور کتابت کا امر محکم اور حکم لازم صادر کیا۔

"والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیراً واٰتوھم من مال اللہ الذی اٰتاکم۔" (نور) †

یعنے جو کوئی لونڈی یا غلام کہے کہ میں اتنی مدت میں اسقدر روپیہ کما دونگا مجھے ابھی آزاد کردو تو اُنکو اقرار لکھدو اگر اُن میں نیکی دیکھو اور دو اُنکو اللہ کے مال سے جو تمکو دیا ہے۔ اور جب مالک سے اِس طرح اقرارنامہ ہوجاوے تو پھر سب پر (جنمیں مالک بھی ہے) واجب کیا کہ اُس کا زرکتابت پورا کردیں اور مالک کو بھی لازم ہوا کہ اس اقرار میں سے ایک مقدار کثیر چھوڑ دے چنانچہ کلبی اور مقاتل اور نخعی نے یہی تفسیر کی ہے اور امام شافعی کا بھی مختار ہے کہ مالک پر واجب ہے کہ مکاتب کو مال دیوے کیونکہ امر وجوب کے لیئے ہے۔

† داؤد الاصفہانی وغیرہ (جنکو یہہ اہل الرائے اصحاب الظواہر کہتے ہیں) اور اَور علما یہہ کہتے ہیں کہ یہہ امر کتابت کا ایجاب کے واسطے ہے یعنے جب غلام درخواست کرے اپنی آزادی کی اقرارنامہ پر اور مالک سمجھے کہ اسمیں اسکی بہتری ہے تو فوراً آزاد کردے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اسلام کی اصلی نیکی اور خیر اور صلاح پر غور کرتے ہیں تو بالضرور ہم اپنے وجدان سلیم سے بھی پاتے ہیں کہ یہہ حکم وجوب کے واسطے ہوگی وجہ سے۔ (۱) یہہ کہ امر تو ایجاب کے واسطے ہوتا ہی اور اسکا سبب نزول بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ خبر لطیب بن عبدالعزی کے غلام نے جسکا نام صبیح تھا کتابت چاہی تو اُسکے آقا نے انکار کیا اسپر یہہ حکم ہوا۔ لیس ظاہر ہے کہ انکار کے مقابلہ میں حکم دینا تو ضرور ہے کہ وہ حکم واجب ہے (۲) حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو مکاتب کرنے کا حکم دیا اُس نے انکار کیا تو اُنہوں نے اُسکی تعزیر کی۔ پس اگر کتابت واجب نہ ہوتی تو اُسکو مارنا جبر اور ظلم ہوتا۔ حالانکہ اصحاب میں سے کسی نے اسپر اعتراض نہیں کیا تو گویا یہہ مسئلہ اجماعی ہوگیا۔ (۳) عمرو بن دینار و عطا داؤد بن علی اور محمد بن جریر بھی اسی وجوب کے قائل ہوئے ہیں پس اِن سب قرائن پر نظر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کتابت واجب ہے اور درحقیقت یہہ بڑی فضیلت ہے اسلام کی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہہ امر مندوب ہے اُنکی واہیات سی حجت اور نامعقول سا قیاس یہہ ہے وہ کہتے ہیں کہ مکاتب کرنا اور بیع ڈالنا برابر ہے اور بیع کرنا واجب نہیں ہے تو مکاتب کرنا بھی واجب نہ ہوگا۔ گو مستحب ہو مگر افسوس کہ اُنہوں نے حکم کتابت کی خوبی نہیں پائی۔ اُنکے ذہن اور طبعتیں ایسی پست اور دبی ہوئی ہیں کہ انسان کی بھلائی اور ترقی

مسلمانوں میں غلاموں اور خدمتگاروں میں صرف نام کا ہی فرق رہ گیا تھا۔ اور
کو غلاموں کے حق میں زیادہ رعایت منظور رہی ہے اسلئے غلام کو اس ملک میں
کی فکر نہیں کرنی پڑتی تھی اور نہ اسکو اپنے بال بچوں کی طرف سے تردد رہتا تھا اسکے مسلمان
آقا کو خود ہی اسکی تمام ضروریات کی فکر واجب لازم ہوتی تھی اور اس سے بہ نرمی اور ملائمت
سے پیش آیا جاتا تھا۔ اور اس اتفاق کے بدلے میں غلام سے صرف گھر کا معمولی اور آسان
کام لیا جاتا تھا۔ یہہ کیفیت میں اسوقت کی بیان کرتا ہوں جب ہندوستان میں انگریزی
عملداری کی جانب سے غلاموں کی حالت میں دست اندازی نہیں ہوئی تھی (دیکھو رسالہ
مکناٹن مطبوعہ ولسن) ہمکو اس بات کے ثبوت میں کہ مسلمانوں کے فقہی مسائل کا برتاؤ بھی
غلاموں کے حق میں بہ نسبت اور قوموں کی شریعت کے بہت نرم اور ملائم ہے۔ یہہ حقیقت
پیش کرنا ضرور ہے کہ جب ہندوستان میں مسٹر رچارڈسن بندیلکھنڈ کے جج
مجسٹریٹ نے سنہ ۱۸۱۰ع میں انسداد رسم غلامی میں ایک مسودہ قانون تصنیف کیا۔
اسمیں انھوں نے یہہ رائے دی کہ اگر ہندوستان میں سے رسم غلامی کو قطعاً موقوف
کر دینا مناسب ہو تو ہندوؤں کے شاستر کے احکام ترک کر کے انکی جگہ ہر ایک بات میں
شریعت اسلام کے احکام کو رواج دیا جاوے کیونکہ وہ غلاموں کے حق میں بہت ہی ملائم ہیں

(۴۹) یہہ سب تدبیریں تو اسوقت کے موجودہ غلاموں کی آزادی کی تھیں اور ہر
ایک عقل خیر اندیش کو آیندہ غلام بنانا اس سے ممنوع پایا جاتا مگر اسوقت کے اذہان اور عقول
انسان کی فطرتی آزادی کا ادراک اچھی طرح نہیں کر سکتے تھے اور ہر ایک بشر کا وجدان بھی
اسپر گواہی دیتا ہے کہ وہ کبھی اپنی ذات یا عزیزوں کے لئے غلامی پسند نہ کریگا۔ اور یہہ
ایک قدرتی دلیل ہے اسکے فطرت آدمیت کے خلاف ہونے کی کہ اسکی ناجوازی اور ناگواری
انسان کی طبیعت اور جبلت میں رکھی گئی ہے الا رسم قدیم جاہلیت کی گمراہی سے عوام لوگ
اسکے محاسن عقلی کو خوب نہیں پاتے تھے اور ایسے امور کی اصلاح صرف علوم کی
اشاعت اور تزکیہ اور حکمت کی تعلیم سے ہو سکتی ہے تا کہ ہر ایک قوم احکام الہی کے
بہ بصیرت اور عقل کی ہدایت سے دریافت کرے کہ درحقیقت تمامی خلق اللہ کی بہبود اور
عافیت اور عقلی اور مذہبی تمدنی اور حسن عشرت کی اصلاح اسی آزادی پر موقوف ہے۔
اسلئے ضرور ہوا کہ آیندہ کی رسم غلامی کے موقوف اور مسدود ہونے کے لئے صاف

احکام وجوبی صادر کئے تو اُسکی ضد استرقاق کو ضرور منع کیا۔

ایک شُبہ یہاں پر یہہ ہو سکتا ہے کہ مکاتب کرکے چھوڑ دینے میں قید لگائی گئی ہو ان علمتم فیھم خیرا کی پس شرط کے مفقود ہونے پر بدستور غلامی کی حالت قائم رہے گی۔

مگر یہہ شُبہ بے اصل ہے کیونکہ ضرور نہیں کہ ہر جگہ ان شرطیہ ہو۔ اِن اور طرح بھی قرآن میں کئی جگہ آیا ہے منجملہ اسکے تعلیل اور قد کے معنے ہیں اور جس چیز کا فعل محقق الوقوع ہو وہاں تعلیل ہی کے معنے مناسب ہونگے۔ دیکھئے!

(۱) لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ

(۲) اتقوا اللہ ان کنتم مومنین۔ (۳) وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

اور قد کے معنے اس آیت میں۔ (۴) فذکر ان نفعۃ الذکری۔

اسمیں شرط کے معنے صحیح نہیں کیونکہ ذکر اور وعظ تو ہر حال میں مامور بہ ہے۔ ایسے ہی مکاتبۃ میں بھی شرط کے معنے صحیح نہیں کیونکہ کتابت تو مامور بہ اور امر وجوبی ہے پس آیت کے معنے بہت چسپاں اور مناسب ہونگے کہ جو تمہارے غلام تم سے آزادی پر اقرار نامہ لکھوانا چاہیں اُنکو لکھ دو کیونکہ تم اُن میں بھلائی جان چکے ہو۔

اور اس تفسیر پر ان علمتم فیھم خیرا میں اس بات پر بھی اشارہ ہے کہ مکاتبۃ تو واجب ہی ہے مگر بلا درخواست کتابت بھی فی نفسہ غلام کی آزادی واجب ہے۔

(۵) اور لفظ اِن کی بحث میں دور کیوں جاؤ اسی آیت کی بعد کی آیت میں دیکھئے اِن کیا معنے دیتا ہے

ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء ان اردن تحصنا۔

(۲۸) نہ صرف ایک مکاتب کرنے کا ہی حکم دیا بلکہ بہت سے احکام جن سے غلاموں کی سختی جاتی رہی اور اُنکی حالت میں بہ نسبت سابق کے بہت کچھ آسایش اور بہبودی میں ترقی ہو گئی چنانچہ ہمارے یہاں کی کتب صحاح و مسانید و مجامع میں بہت سی حدیثیں اور فقہ کی کتابوں میں بہت سے مسائل ایسے عمدہ اور کثرت سے ہیں کہ اگر اسی قدر ہی احکام ہوتے تو بھی بہ نسبت اَور قوموں کے رسم قانون کے مسلمانوں کی رسم و قانون میں بہت ترقی اور آسانی تھی اور انہیں احکام قرآنی اور مسائل فقہیہ کی بدولت ہند کے

کہ مکی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ مکہ میں نازل ہوئی ہے بعد ہجرت کے یہی پس یہ سورۃ
جو بعد ہجرت کے مکے میں نازل ہوئی اسلئے مدنی ہے اور مکی بھی پس یہ صرف اصطلاح
کی تکرار تھی نہ کہ حقیقت میں اسکے شہر مکہ میں بعد ہجرت نازل ہونے پر کچھ شبہ او یہ وجہ
علامہ سیوطی نے اس سورہ کو مختلف فیہ سورتوں میں درج کیا ہے (مقام مذکور) اور لکھتے
ہیں سورۂ محمد حکی النسفی قولاً غریباً انہا مکیۃ۔ اسمیں غرابت صرف اصطلاح کی
بنا پر ہے نہ کہ حقیقت میں +

(ب) آیت کی دلالت

اسمیں کچھ گفتگو اور نزاع نہیں ہوسکتی کہ اس آیت میں لڑائی کے قیدیوں کے لئے بجز
من اور فدا کے اور کوئی صورت نہیں ہے اور اختیار نہیں کہ سوائے ان دو صورتوں کے
اور کسی طرح سے پیش آیا جاوے۔ متعدد مفسرین و صحابہ و تابعین جو اس آیت کے نسخ
کے قائل ہیں وہ ہمارے استدلال کے موئید ہیں۔ کیونکہ اگر اس آیت سے قیدیوں کا
غلام بنانا بھی کسی تاویل بعید و توجیہہ غیر سدید سے نکل سکتا تو نسخ کی کیا ضرورت تھی۔
تفسیر کمالین میں ہے :- روی عن ابن عمر عباس والحسن ابن سیرین و قال
ابو حنیفہ والاوزاعی ھی منسوخۃ لقولہ تعالیٰ فی البراءۃ واقتلوا المشرکین
حیث وجدتموھم لان البراءۃ آخرھا نزل وروی عن قتادہ و مجاھد
وعطاء والسدی وغیرہ عن ابن عباس ایضاً۔ اور تفسیر بیضاوی میں ہے :-
منسوخ عند ابی حنیفۃ او مخصوص بحرب بدر فانھم قالوا تعین القتل
او الاسترقاق۔ اور بیضاوی کے حاشیہ پر لفظ منسوخ کی ذیل میں لکھا ہے :-
والیہ ذھب ابن عباس وقتادۃ وابن جریج والسدی والضحاک و مجاھد
وروی عن ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

پس ان فقہاء و مفسرین جن میں صحابہ و تابعین بھی داخل ہیں (۱) ابن عمر (۲) عباس
(۳) حسن ابن سیرین (۴) ابو حنیفہ (۵) اوزاعی (۶) قتادہ (۷) مجاہد (۸) عطاء (۹)
سدی (۱۰) ابن عباس (۱۱) ابن جریج (۱۲) ضحاک (۱۳) ابی بکر رضی اللہ عنہ اس آیت
میں بجز ان دو صورتوں کے اور کوئی تیسری صورت نہیں سمجھتے تھے اور اسی لئے

حکم دیا جاوے چنانچہ سورۂ محمد میں فرمایا۔

"فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا"۔

چونکہ لڑائیوں کے قیدی غلام بنائے جاتے تھے۔ غلامی کی رسم کی ابتدا یہی معلوم ہوتی ہے اور اسوقت کی رسم میں لڑائی کے قیدیوں سے چار طرح پر سلوک کیا جاتا تھا۔ (۱) قتل کرنا۔ (۲) غلام بنانا (۳) احسان رکھکر چھوڑ دینا۔ (۴) فدیہ لیکر چھوڑنا۔ اس آیت نے صرف ۳ و ۴ صورت پر لڑائی کے قیدیوں کے حق میں عمل کرنا منحصر کیا اور دو اگلی صورتوں کو بالکل موقوف اور مسدود کردیا۔ اور یہہ اسلام کی ایسی برکت اور اتنا بڑا احسان ہے کہ کسی مذہب ملت میں ایسی تدبیر انسان کی فلاح اور اصلاح کی نہیں کی گئی۔

(۳۰)۔ اس آیت محکم پر کئی طور سے بحث ہوئی ہے اور رسالہ تبرئۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام میں سید احمد خاں صاحب بہادر سی۔ ایس۔ آئی نے بسط و تفصیل مالاکلام سے اسکے ہر ایک پہلو اور جانب پر بحث کی ہے۔ اور اسلام میں یہہ اول تحریر و تصنیف ہے جو اس آیت کی تنزیہ اور تفسیر میں ہوئی ہو اور جس نے تمام عالم پر اسلام کی فضیلت ثابت کی ہو۔ اور ہمارا یہہ مضمون ایسے فقہی مباحثوں کے لئے نہیں ہے ہمیں ہم مختصر گفتگو نفس آیت کے متعلق کرینگے۔

(۱) زمانہ نزول آیت

مسلمانوں میں یہہ اصطلاح کہ فلاں صورت مکی ہے یا مدنی مختلف ہے۔ بعض تو اس اصطلاح کو زمانہ کی بنا پر رکھتے ہیں یعنے تاریخ کی حیثیت سے جو آیت قبل ہجرت نازل ہوئی ہو وہ مکی ہے اور جو بعد ہجرت ظاہر ہوئی وہ مدنی ہے خواہ مکہ ہی میں سال حج یا سال فتح کو آئی ہو۔ اور بعضے اس اصطلاح کو صرف مکان کے متعلق رکھتے ہیں یعنے جو صورت مکہ میں نازل ہوئی خواہ قبل ہجرت یا بعد ہجرت وہ مکی ہے اور جو مدینہ میں وہ مدنی ہے (دیکھو تفسیر اتقان فی علوم القرآن نوع ۱) اور اسی اصطلاح کی سورۂ محمد بھی مختلف ہے بعضے کہتے ہیں مدنی ہے۔ اور یہہ سچ ہے کیونکہ بعد ہجرت نازل ہوئی اور بعضے کہتے ہیں

وفي حديث عثمان المشهور براءة من آخر القرآن نزولا (اتقان نوع ۸)
(عن البراء بن عازب آخر سورة نزلت كاملة براءة بخاری)

اگر یہ روایتیں صحیح ہوں تو ان اختلافات کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہر ایک شخص نے اپنی معلومات کو بیان کیا پس اس میں کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

قال البيهقي في الجمع بين هذه الاختلافات ان صحت بان كل واحد اجاب بما عنده قال ابو بكر في الانتصار هذه الاقوال ليس فيها شيء مرفوع الى النبي صلى الله عليه وسلم وكل قاله بضرب من الاجتهاد وغلبة الظن ويحتمل ان كلا منهم اخبر عن آخر ما سمعه من النبي الخ (اتقان ۱۳)

پس اگر نسخ طلب اس امر کو قرار دیا جائے کہ (۱) آیا دونوں آیتوں میں یعنی سورہ محمد کی ۴ آیت اور [illegible] کی ۴ آیت میں ایسا اختلاف ہے کہ بغیر تسلیم نسخ کے رفع ہی نہیں ہو سکتا اور (۲) ان دونوں میں کونسی آیت (نہ کہ سورۃ) مقدم ہے تاریخ نزول کے اعتبار سے (نہ کہ تاریخ اشتہار یا قرآن خاص کے لحاظ سے)۔

ہم نے جو یہ دو امر نسخ طلب قرار دیئے ہیں ان کو سب محققوں نے نسخ کے لئے ضروری قرار دیا ہے ابن الحصار نے کیا خوب تقریر کی ہے۔

انما يرجع في النسخ الى نقل صريح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم او عن صحابي يقول آية كذا نسخت كذا وقد يحكم به عند وجود التعارض المقطوع به مع علم التاريخ ليعرف المتقدم والمتاخر ولا يعتمد في النسخ على قول عوام المفسرين بل ولا اجتهاد المجتهدين من غير نقل صحيح ولا معارضة بينة لان النسخ يتضمن رفع حكم واثبات حكم تقرر في عهده صلى الله عليه وسلم والمعتمد فيه النقل والتاريخ دون الرأي والاجتهاد۔ یعنی نسخ میں تو حدیث رسول کے بیان صراحت پر یا صحابی کے قول پر کہ اس آیت نے اس آیت کو منسوخ کیا رجوع ہو سکتا ہے اور جبکہ دونوں آیتوں میں قطعی تعارض پایا جاوے تب نسخ مانا جا سکتا ہے اور یوں نسخ میں عوام مفسروں کا قول اعتبار کے لائق نہیں ہے بلکہ مجتہدوں کے اجتہاد کا بھی اعتبار نہیں ہے کیونکہ نسخ میں ایک حکم کا جو رسول صلعم کے وقت میں مقرر تھا اٹھانا یا ثابت کرنا ہوتا ہے۔ پس اس میں نقل اور تاریخ پر ہی اعتماد

بضرورت قتل یا استرقاق اُسکو منسوخ بتلاتے ہیں۔ اور (۱۴) امام شافعی و (۱۵) مالک
و (۱۶) حنبل تو اس آیت کو مخصوص بھی نہیں بتلاتے چہ جائیکہ منسوخ۔ مصفّیٰ شرح
موطا میں لکھا ہے: قوله فاما منا بعد واما فداء الخ۔ ای فاما انتم تمنون
منا بالاطلاق واما تفدون فداء بالاسترقاق وهو ثابت عند الائمة الثلاثة
منسوخ عند ابی حنیفة لقوله اقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم
لان سورة براءة آخر ما نزل او مخصوص بحرب بدر وبقی بیان عندهم
القتل والاسترقاق فالمن والمفاداة لا غیر۔ یعنے یا تو انکو احسان رکھکر چھوڑ دو اور
یا بمقابلہ استرقاق کے اُن سے فدیہ لو۔ اور یہ آیت تینوں اماموں کے نزدیک
غیر منسوخ ہے اور ابو حنیفہ کے نزدیک منسوخ ہے اقتلوا المشرکین سے کیونکہ سورۂ براءۃ
آخر نازل ہوئی یا بدر کی لڑائی سے مخصوص ہے اور انکے نزدیک قتل اور استرقاق متعین ہے
پس من کے معنے بغیر چھوڑ دینے کے اور کچھ نہیں ہیں ۔

(ج) بحث نسخ

امام شافعی اور مالک اور احمد تو اس آیت کو ثابت بتلاتے ہیں الا حضرت ابو حنیفہ
اسکو منسوخ ٹھہراتے ہیں اور ناسخ اسکا سورہ براءۃ کی پانچویں آیت کو قرار دیتے ہیں۔ نسخ
کی بحث میں تاریخ کا تعین تو ضرور ہے کیونکہ منسوخ زمانہ میں متقدم ہونا چاہیئے اور ناسخ
کو متاخر۔ مگر اس تحقیق طلب میں کسی قدر بے احتیاطی ہوتی ہے اور شہرتاً یہ کہا جاتا ہے کہ
سورہ براءۃ آخر نازل ہے۔ مگر یہ تحقیق ٹھیک نہیں ہے۔ آیتوں کے بارے میں تو روایتیں
بہت ہی مختلف ہیں اور ہر ایک نے اپنے علم اور رائے سے بعض بعض آیتوں کو آخر نازل
قرار دیا ہے الا سورتوں میں بھی اختلاف ہے۔

اخرج مسلم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال آخر سورة نزلت اذا جاء
نصر اللہ والفتح۔

اخرج الترمذی والحاکم عن عائشة قالت آخر سورة نزلت سورة المائدة
واخرجا ایضاً عن عبد الله بن عمر قال آخر سورة نزلت سورة المائدة والفتح
(اذا جاء نصر اللہ)۔

من الذین اوتوا الکتاب وانما ھو مخصوص بہ۔ انتھی

(۵) آیتوں کی تاریخ نزول معلوم ہونی بہت دشوار ہے اور ہر ایک راوی اپنے علم اور قیاس سے کہتا ہے۔ اور اسکے علاوہ سبب نزول کی اصطلاح ایسی غیر منضبط اور وسیع مقرر ہوئی ہے کہ جس بات پر کسی آیت سے استدلال کیا جاتا ہے یا اس آیت کی مراد بیان کرنی مقصود ہوتی ہے وہاں بھی یہی بولتے ہیں نزلت فی کذا۔ پس اکثر تو ایسی روایتیں محض راویوں کے اجتہاد اور رائے پر ہیں نہ کہ تاریخی حالات اور نقل واقعات پر ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔ قولھم نزلت الآیۃ کذا یراد بہ تارۃ سبب نزول ویراد بہ تارۃ ان ذلک داخل فی الآیۃ وان لم یکن السبب کما تقول عنی بھذہ الآیۃ کذا۔ اور زرکشی نے برہان میں لکھا ہے۔ قد عرف من عادۃ الصحابہ والتابعین ان احدھم اذا قال نزلہ وھذہ الآیۃ فی کذا فانہ یرید بذلک انھا تتضمن ھذا الحکم لا ان ھذا کان السبب فی نزولھا فھو من جنس استدلال علی الحکم بالآیۃ لا من جنس النقل لما وقع۔ پس جبکہ محاورات کی یہہ کیفیت اور اطلاقات کی یہ صورت ہو تو دشوار ہے کہ واقعی سبب نزول دریافت ہو سکے۔

(۶) کسی موقعہ خاص یا مشہد عام پر چند آیات کا پڑھا جانا یہہ نہیں ثابت کرتا کہ وہ آیت اُسیوقت نازل ہوئی ہو۔ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو سورہ براءۃ کے شروع کی آیتیں دیکر بھیجا تھا کہ حج اکبر کے دن سنہ ۹ ہجری میں پڑھ سنانا۔ اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ سورۂ برات کی وہ آیتیں اُسیوقت نازل ہوئی تھیں۔

(د) والمحصنات من النساء کی تفسیر

بعضے لوگوں نے سورۂ نساء کی ۲۷ آیت اس مراد سے پیش کی کہ سورۂ محمدؐ کے بعد بھی آزاد عورتوں کی جو قید ہو آویں لونڈی بنانے کی اجازت ہے (استغفر اللہ) اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت پیش کی ہے جسکا ماحصل بروایت مسلم و ترمذی و نسائی اور ابو داؤد (قطع نظر از زیادت و نقصان الفاظ) یہہ ہے کہ اوطاس کے قیدیوں میں عورتیں بھی پکڑی آئیں تو مسلمانوں نے اُن عورتوں سے مباشرت کرنے کو گناہ سمجھا اور خوف

ہوسکتا ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر۔

پس اب ہم ان دو نتیجوں کی نسبت یہہ لکھتے ہیں کہ :۔

(۱) ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض واقع نہیں ہے سورۂ محمدؐ کی چوتھی آیت میں قیدیوں کا حکم ہے کہ جب لڑائی کے بعد بقیۃ السیف رہ جاویں ان قیدیوں کو یا تو احسان رکھکر چھوڑ دیا جاوے اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاوے۔ اور سورۂ براءۃ کی چوتھی آیت میں حکم ہے کہ مشرکوں کو جنہوں نے عہد توڑا ہے قتل کیا جاوے۔ پس انمیں کچھ تعارض نہیں ہے۔

(۲) کوئی حدیث صحیح جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے آجتک کسی راوی نے نقل نہیں کی جس سے یہہ معلوم ہو کہ سورۂ براءۃ کی چوتھی آیت سے سورۂ محمدؐ کی چوتھی آیت کو نسخ کیا۔

(۳) کسی صحابی سے کسی معتبر روایت سے [illegible] منقول نہیں [illegible] اس آیت نے اس آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ البتہ کوئی ایسی روایت [illegible] ذیل پیش کیا گیا ہے [illegible] قال ابن عباس [illegible] قوله تعالى فاما منا بعد واما فداء [illegible] مگر اول تو یہ [illegible] ہے [illegible] اور [illegible] صحیح [illegible] ہو تو ایسی خبر یا محض بیکار ہے۔

(۴) نسخ کا امکان [illegible] اور سورۂ محمدؐ کی چوتھی آیت تو موقت ہے حتی تضع الحرب اوزارھا [illegible] منسوخ نہیں قرار پا سکتی۔ علامہ سیوطی نے اتقان میں [illegible] لکھا ہے۔ وقسم هو مخصوص لا من قبيل المنسوخ وقد اعتنى ابن العربي بتحريره فاجاد كقوله ان الانسان لفي خسر الا الذين آمنوا والشعراء يتبعهم الغاوون الا الذين آمنوا فاعفوا واصفحوا حتى ياتي الله بامره [illegible] خصت باستثناء او غاية [illegible] وقوله [illegible] حتى [illegible]

متعلق تھی بحث ہوئی تھی کہ غیر قوم عیسائیوں پر بھی اسکا بار ڈالا جاوے یا نہیں۔ ہمارے اس قیاس کی تائید اس سے زیادہ قوی ہوتی ہے کہ ڈاکٹر بنٹلی اور مسٹر ریوس یہہ دونو محقق جنہوں نے انجیل کے اختلاف اور تصحیح میں بڑی محنت اور تحقیق کی ہے اسی عبارت کو ئریاس کو ترجیح دیتے ہیں ÷

(۲۵) ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا (اسرے)

(۲۶) یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضا فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فہل انتم منتہون۔ (مائدہ)

(۳۳)۔ صبر اور تحمل کے احکام اور برائی کے بدلے میں بھلائی کرنا اور مخالفوں کی تقصیروں سے درگذر کرنا اور اپنے دشمنوں کے حق میں دعا کرنا بہت تاکید اور تکرار سے سکھلایا گیا ہے ÷

(۱) ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ہی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔ (حم سجدہ)

(۲) فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ۔ (بقر)

(۳) ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم۔ (نور)

(۴) یا ایہا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ہو اقرب للتقوی۔ (مائدہ)

(۵) یا ایہا الذین آمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروہم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور رحیم۔ (تغابن)

(۶) فاعف عنہم وقل سلام (زخرف)

(۷) فاعف عنہم واصفح ان اللہ یحب المحسنین (مائدہ)

(۸) واعرض عنہم وعظہم وقل لہم فی انفسہم قولا بلیغا۔ (نساء)

(۹) قل للذین آمنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ۔ (جاثیہ)

(۴۴) قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دماً مسفوحاً او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا اهل لغیر الله به فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور الرحیم (انعام)۔

اور نیز سورہ مائدہ کی ۴- آیت

(یہی حکم بعینہ انجیل میں ہے دیکھو اعمال الحواریین $\frac{۱۵}{۲۰}$ فرق اتنا ہے کہ حال کے نسخوں میں بمقابلہ لحم خنزیر لفظ (زنا) ہے۔ مگر قیاس اسکا مقتضی ہے کہ اصل عبارت انجیل میں کوئریاس (لحم خنزیر) تھی جسکی صورت حال کے نسخوں میں پورنیاس (زنا) ہوگئی ہے کیونکہ اُس وقت حواریوں میں یہود کی رسمی شریعت کی بحث تھی نہ کہ اخلاقی احکام کی۔ پس زنا کو خون اور گلا گھونٹے جانور اور بتوں کی قربانی سے کیا مناسبت تھی۔ اسکا ذکر تو خارج از محل اور بے موقع تھا البتہ پورنیاس یعنے لحم خنزیر وغیرہ چیزوں پر جنسے یہود کی رسمی شریعت میں حلت اور حرمت

محمد بن حمران میں ہے انهما سألا اباعبدالله علیه السلام عن ذبائح الیهود و النصاری والمجوس فقال کل وقال بعضهم انهم لا یسمون فقال ان حضرتموهم فلم یسموا فلا تاکل واذا غاب فکل اور روایت عبدالملک قال قلت لابی عبدالله علیه السلام ما تقول فی ذبائح النصاری فقال علیه السلام لا باس بها قلت انهم یذکرون علیه المسیح فقال انما ارادوا بالمسیح الله یعنے راوی نے اباعبدالله سے پوچھا کہ یہود و نصاری و مجوس کا ذبیحہ کہا جانا چاہئے تو حضرت نے فرمایا کہ کہا پھر راوی نے عرض کیا کہ وہ خدا کا نام نہیں لیتے تو فرمایا کہ اگر تمہارے سامنے خدا کا نام نہ لیں تو نہ کھاؤ اور اگر غیبت میں ذبح کریں تو کھاؤ۔ اور عبدالملک کی روایت میں ہے کہ میں نے اباعبداللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ یہود و نصاری کے ذبیحوں کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد کیا کہ کھاؤ تب میں نے عرض کیا کہ وہ لوگ مسیح کا نام لیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ مسیح سے بھی انکی مراد خدا ہی ہے۔ اور زکریا بن ابراہیم سے روایت ہے۔

قال دخلت علی ابی عبدالله علیه السلام فقلت انی رجل من اهل الکتاب وانی اسلمت وبقی اهلی کلهم علی النصرانیة وانا معهم فی بیت واحد لم افارقهم بعد فاکل من طعامهم فقال لی ایاکلون لحم الخنزیر قلت لا ولکنهم یشربون الخمر فقال لی کل معهم واشرب۔ انتهی +

تہذیب [illegible]

قرآن میں اسکی پیشین گوئی ہوئی تہی کہ مسلمانوں کو مخالفوں سے بڑی اذیت پہنچیگی اور انکو ہدایت ہوئی تہی کہ وہ صبر کرتے رہیں ٭

(۱۰) ولتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور۔ (ح۴) +

تمام شد